عام فہم تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا
ایک سدا بہار مبارک سلسلہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

اللہ تعالیٰ اس شخص کو تروتازہ رکھے جس نے میری بات سنی اور اسکو یاد کیا اور اسکو محفوظ رکھا اور پھر دوسروں کو پہنچا دیا۔ (ترمذی)
نیز فرمایا سب سے افضل صدقہ یہ ہے کہ مسلمان علم دین کی بات سیکھے پھر اپنے مسلمان بھائی کو سکھا دے۔ (ابن ماجہ)

زیرِ نگرانی

فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب رحمہ اللہ
رئیس دارالافتاء جامعہ خیر المدارس ملتان

اِدارۂ تالیفاتِ اشرفیہ
چوک فوارہ ملتان پاکستان
(061-4540513-4519240

عام فہم تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا
ایک سدا بہار مبارک سلسلہ

درسِ حدیث

۹-۱۰

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

اللہ تعالیٰ اس شخص کو تر و تازہ رکھے جس نے میری بات سنی اور اسکو یاد کیا اور اسکو محفوظ رکھا اور پھر دوسروں کو پہنچا دیا۔ (ترمذی)
نیز فرمایا سب سے افضل صدقہ یہ ہے کہ مسلمان علم دین کی بات سیکھے پھر اپنے مسلمان بھائی کو سکھا دے۔ (ابن ماجہ)

تقریظ

فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب رحمہ اللہ

از افادات

اُستاد المحدثین حضرت مولانا ادریس میرٹھی صاحب رحمہ اللہ

اِدارۂ تالیفاتِ اَشرفیہ
چوک فوارہ مُلتان پاکستان
(061-4540513-4519240

درسِ حدیث

تاریخ اشاعت............. شعبان المعظم ۱۴۲۹ھ

ناشر....................ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان

طباعت..................سلامت اقبال پریس ملتان

قارئین سے گذارش

ادارہ کی حتی الامکان کوشش ہوتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمدللہ اس کام کیلئے ادارہ میں علماء کی ایک جماعت موجود رہتی ہے۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو برائے مہربانی مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاکم اللہ

ادارہ تالیفات اشرفیہ... چوک فوارہ... ملتان — مکتبہ رشیدیہ........ راجہ بازار........ راولپنڈی

ادارہ اسلامیات......... انارکلی......... لاہور — یونیورسٹی بک ایجنسی..... خیبر بازار....... پشاور

مکتبہ سید احمد شہید........ اردو بازار..... لاہور — ادارۃ الانور......... نیو ٹاؤن......... کراچی نمبر 5

مکتبہ رحمانیہ....... اُردو بازار .... لاہور — مکتبہ المنظور الاسلامیہ... جامعہ حسینیہ... علی پور

ISLAMIC EDUCATIONAL TRUST U.K (ISLAMIC BOOKS CENTERE — 119-121- HALLIWELL ROAD BOLTON BL1 3NE. (U.K.)

تقریظ

فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب رحمہ اللہ

رئیس دار الافتاء جامعہ خیر المدارس ملتان ونگران اعلیٰ مجلس تحقیقات اسلامیہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کے پیش نظر اللہ پاک نے قرآن مجید کی حفاظت جس طرح اپنے ذمہ لی ہے اسی طرح الفاظ قرآن کی تشریح جو ذخیرہ آحادیث کی شکل میں موجود ہے اسکی حفاظت وصیانت بھی اللہ پاک نے اس امت کے ذریعے فرمائی۔ یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے کہ حفاظت حدیث کے سلسلہ میں اس امت کے محدثین حضرات نے عجیب کمالات دکھائے۔ اسماء الرجال کے علم ہی کو دیکھ لیجئے اس علم سے سابقہ امتیں محروم رہیں لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک تعلیمات چونکہ تا قیامت محفوظ اور قابل عمل تھیں اس لئے ان فرامین کی حفاظت کیلئے محدثین نے اسماء الرجال اور اس کے علاوہ دوسرے علوم متعارف کرائے جنہوں نے احادیث مبارکہ کے گرد ایک قوی حصار کا کام کیا تا کہ کوئی دین دشمن حسب منشاء ان احادیث میں کوئی تغیر وتصرف نہ کر سکے۔

عصر حاضر میں مسلمانوں کی مغلوبیت میں جہاں دیگر عوامل کارفرما ہیں ان سب میں بنیادی چیز یہی ہے کہ ہم اپنی بنیاد یعنی اسلامی تعلیمات سے منہ موڑے ہوئے ہیں۔ اور اس بات کے جاننے کے باوجود کہ ہماری دینی ودنیاوی فلاح وترقی اسلامی تہذیب، اسلامی تعلیمات اور انہی اقدار میں ہے جن پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم

اجمعین کو چلایا اور تاریخ گواہ ہے کہ جب تک مسلمان ان اسلامی تعلیمات پر مضبوطی سے عمل پیرا رہے اللہ پاک نے انہیں اخروی نجات کے علاوہ دنیا میں بھی شان وشوکت' غلبہ ونصرت سے نوازا اور پوری دنیا کے غیر مسلم ان کے خادم اور زیر دست کی حیثیت سے رہے۔

آج ہم سب مسلمان یہ چاہتے ہیں کہ دنیا میں مسلمان غالب ہوں لیکن اس کے لئے جو بنیادی چیز ہے یعنی تعلیمات نبوت کی روشنی میں زندگی کے سفر کو طے کرنا۔ اسکی طرف ہماری توجہ کم ہوتی ہے اس لئے ضرورت ہے کہ معاشرہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک تعلیمات کو عام کیا جائے اور جس طرح تلاوت قرآن کو اپنے معمول میں شامل کیا جاتا ہے اسی طرح ہمارے بعض اکابر کے معمول میں تلاوت حدیث بھی شامل تھی۔

''ادارہ تالیفات اشرفیہ'' اس لحاظ سے بڑی مبارک کا مستحق ہے کہ عوام کو اس بنیادی ضرورت کو عام فہم انداز میں درس حدیث کی شکل میں پیش کرنے کا سہرا اُسی کے سر ہے۔ اس سے قبل ''درس قرآن'' بھی عوام الناس میں بے حد مقبول ہو چکا ہے۔

دل سے دُعا ہے کہ فرامین نبوی کا یہ سدا بہار گلدستہ عند اللہ مقبول ہو اور ہم سب تعلیمات نبوی کی روشنی میں اپنا قبلہ درست کر کے دنیا و آخرت کی سعادتوں سے اپنے دامن بھر لیں۔

فقط: عبدالستار عفی عنہ رجب المرجب ۱۴۲۵ھ

عرض ناشر

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ادارہ کی جدید مرتبہ ''درس حدیث'' کی سابقہ آٹھ جلدیں ماشاء اللہ کافی مقبول ہوئیں درس حدیث کا یہ مبارک سلسلہ فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب رحمہ اللہ کی زیر نگرانی شروع ہوا یقیناً یہ بھی حضرت کیلئے دیگر حسنات جاریہ میں سے ایک ہے اس لئے اس جلد پر بھی مقدمہ حضرت ہی کا لکھا ہوا دیا جارہا ہے۔

عرصہ دراز سے مزید جلدوں کا انتظار تھا۔ اللہ پاک ہمارے اکابر رحمہم اللہ کو اجر عظیم سے نوازیں جو بے حد محنتوں سے ہمارے لئے دین اور اس کے مآخذ کو سہل الوصول فرما گئے۔ اور دین کے ہر شعبہ سے متعلق معلومات فضائل و احکام کا عظیم ذخیرہ جو اپنی عربی زبان کی وجہ سے حلقہ خواص تک محدود تھا۔ ان حضرات اکابر نے دیگر خدمات جلیلہ کے ساتھ ساتھ یہ عظیم خدمت بھی سرانجام دی کہ ان دینی علوم کو اردو کے لباس سے آراستہ کر کے عوام الناس کی ایک بڑی ضرورت کو پورا فرما گئے۔

اللہ تعالیٰ ان کی قبور کو ٹھنڈا فرمائیں اور جنت کو ان کا ٹھکانہ بنائیں آمین

الحمدللہ شروع سے ادارہ کی کوشش رہی ہے کہ اپنے اکابر کی مستند و بے غبار تعلیمات کو مزید مزین وسہل کر کے پیش کیا جائے۔ اس جلد کے سلسلہ میں بھی اللہ تعالیٰ کا فضل شامل حال رہا اور علماء کرام کی مشاورت سے

استاد الحدیث مولانا محمد ادریس میرٹھی رحمہ اللہ کی مقبول عام تصنیف ''شرح ریاض الصالحین'' میں سے سابقہ جلدوں کی طرح سبق وار درس کی شکل میں مرتب کیا گیا ہے۔

اس جلد میں معاشرت اور اخلاقیات کے تمام مضامین بالترتیب لئے گئے ہیں صرف دوران سبق آنے والی احادیث کا عربی متن نہیں دیا گیا تا کہ عوام الناس بسہولت مختصر وقت میں درس مکمل کر سکیں۔ شروع سبق میں حدیث مبارکہ کا مختصر عربی متن تبرکاً نقل کیا گیا ہے۔

بلا شبہ گھروں، مساجد، اسکولوں و مکاتب میں ان سبق وار احادیث کو سننے سنانے کی پابندی کی جائے تو مختصر وقت میں دین کی اہم باتیں سیکھی جاسکتی ہیں۔

ان شاء اللہ اس مبارک سلسلہ احادیث کی مزید جلدیں شرح ریاض الصالحین سے مرتب کر کے جلد منظر عام پر آرہی ہیں۔ **وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب**

نوٹ: بعض جگہ دعائیہ کلمات ذکر نہیں کئے جا سکے قارئین سابقہ درس والے دعائیہ کلمات کو دہرا کر یومیہ درس ختم کر سکتے ہیں۔

اللہ پاک ہم سب کو دین کی صحیح فہم نصیب فرمائیں اور اپنے فضل سے خدمت دین الی یوم الدین لیتے رہیں۔

والسلام

محمد اسحٰق عفی عنہ

شعبان المعظم ۱۴۲۹ھ بمطابق اگست 2008ء

فہرست مضامین

عمل کا مدار نیت پر ہے

عن امیر المؤمنین ابی حفص عمر بن الخطاب قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول: "انما الاعمال بالنیات، وانما لکل امریء ما نویٰ: فمن کانت هجرته الی الله ورسوله فهجرته الی الله ورسوله، ومن کانت هجرته لدنیا یصیبها، او امراة ینکحها فهجرته الی ما هاجر الیه" متفق علیٰ صحته.

ترجمہ: حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سنا آپ فرمارہے تھے کہ اس کے سوانہیں کہ عمل کا مدار تو صرف نیت پر ہے اور ہر شخص کو وہی ملے گا جو اس نے نیت کی ہوگی چنانچہ (مثلاً) جس شخص نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے لئے ہجرت کی ہوگی (گھر بار چھوڑا ہوگا) اس کی ہجرت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہوگی (دنیا اور آخرت دونوں میں اس کا پھل ملے گا) اور جس شخص نے دنیا کمانے یا کسی عورت سے بیاہ کرنے کے لئے ہجرت کی ہوگی (اور اس کے لئے وطن چھوڑا ہوگا) اس کی ہجرت اسی چیز (دنیا یا عورت) کی طرف ہوگی جس کے لئے اس نے ہجرت کی ہے (ملے یا نہ ملے یہ اس کی قسمت ہے باقی اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ نہ ملے گا)۔

نیت کا بیان

نیت کے معنی اگرچہ قصد وارادہ کے ہیں مگر نیت دراصل اس غرض وغایت کا نام ہے جس کے حاصل کرنے کے لئے انسان کوئی کام بالقصد والارادہ کرتا ہے خواہ وہ غرض وغایت اچھی ہو خواہ بری جیسا کہ حدیث میں اچھی اور بری دونوں قسم کی نیتوں کا ذکر ہے یہی معنی حدیث میں مراد ہیں چونکہ انسان بعض اوقات بے خیالی میں بغیر کسی خاص نیت وقصد وارادہ کے بھی کوئی نیک کام یا عبادت کر لیتا ہے اور اللہ کے ہاں ایسا نیک کام یا عبادت مقبول نہیں اور نہ اس پر کوئی اجر وثواب ملتا ہے اللہ کے ہاں تو وہی عبادت مقبول ومطلوب ہے جو دل کی پوری توجہ کے ساتھ ہو اور صرف اللہ کے لئے ہو اور کسی دوسری غرض کے لئے نہ ہو اس لئے ہر عمل خیر اور عبادت وطاعت کے وقت دل کا پوری طرح اللہ اور اس کی عبادت وطاعت کی طرف متوجہ ہونا ضروری ہے یہی معنی احضار نیت (نیت موجود ہونے) کے ہیں اور اسی معنی میں نیت کا لفظ عموماً استعمال ہوتا ہے۔

زبان سے نیت کرنا ضروری ہے یا نہیں

نیت کا زبان سے کہنا ضروری نہیں بلکہ دل کا اللہ اور اس کی عبادت کی طرف پوری طرح متوجہ ہونا ضروری ہے اگر زبان سے بھی کہہ لے تو کچھ حرج نہیں خواہ عربی میں کہے خواہ اردو میں یا کسی دوسری زبان میں۔

اس حدیث کا ماخذ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی یعنی حدیث انما الاعمال بالنیات' اللہ تعالیٰ کے فرمان ولکن ینالہ التقویٰ منکم سے ماخوذ اور اسی کا اقتباس ہے آیت کریمہ میں اسی اصول کو قربانی کی مثال میں بیان کیا گیا ہے اور حدیث میں ہجرت کی مثال میں سمجھایا گیا ہے اصول عام ہے کوئی بھی عمل خیر اور عبادت وطاعت ہو اس کا مدار نیت پر ہے جیسی نیت ویسا پھل۔ واللہ اعلم بالصواب

حشر کے دن لوگ اپنی اپنی نیتوں پر اٹھیں گے

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ: مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (قیامت کے قریب) ایک لشکر اللہ کے گھر (کعبہ) پر چڑھائی کرنے کے لئے نکلے گا جب وہ زمین کے کھلے میدان میں پہنچے گا تو اس لشکر کے اگلے پچھلے سب لوگوں کو زمین میں دھنسا دیا جائے گا (اور ان میں سے کوئی بھی زندہ نہ بچے گا) حضرت عائشہ نے عرض کیا (یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اگلے پچھلے سب لوگوں کو کیسے (اور کیوں) دھنسا دیا جائے گا؟ ان میں (سب ہی لڑنے والے تو نہ ہوں گے سودا سلف بیچنے والے) دکاندار بھی ہونگے اور ایسے لوگ بھی ہوں گے جو ان حملہ آوروں میں سے نہ ہوں گے (نوکری چاکری کے لئے چلے آئے ہوں گے ایسے لوگ بلاقصور کیسے اور کیونکر ہلاک کر دیئے جائیں گے؟) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (اس وقت تو) اگلے پچھلے سب ہی لوگ (ان مجرموں کے ساتھ ہونے کی وجہ سے) دھنسا دیئے جائیں گے پھر (حشر کے دن) اپنی اپنی نیت پر اٹھائے جائیں گے (جو کعبہ پر چڑھائی کرنے آئے تھے وہ تو مجرموں کے زمرہ میں الگ اور جو اس نیت سے نہیں آئے تھے وہ الگ کھڑے کئے جائیں گے)

بدکاروں اور مجرموں سے دور رہنا چاہئے

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ مجرموں بدکاروں اور گنہگاروں کے محض ساتھ رہنا بھی عذاب الٰہی اور قہر خداوندی میں گرفتار ہو جانے کا سبب بن جاتا ہے اگرچہ حشر کے دن آخرت کے عذاب سے کوئی اپنی نیک نیتی کی وجہ سے بچ بھی جائے اس لئے ایسے مجرموں بدکاروں اور گنہگاروں سے زیادہ سے زیادہ علیحدہ اور دور ہی دور رہنا چاہئے۔

اس حدیث کا ماخذ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث قرآن کریم کی مذکورہ ذیل آیت کریمہ سے ماخوذ اور اسی کا اقتباس ہے۔

واتقوا فتنة لاتصيبن الذين ظلموا منكم خآصة (انفال:۲۵)

اور تم اس فتنہ (عذاب) سے ڈرتے اور بچتے رہو جو خاص ظلم کرنے والے لوگوں (مجرموں) پر ہی نہیں آئے گا (بلکہ سب پر عام ہوگا)

دُعا کیجئے

یا اللہ! ہمارے پاس اور کوئی سرمایہ نہیں، کوئی وسیلہ نہیں اقرار جرم کرتے ہیں آپ کے نبی الرحمۃ صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ پیش کر کے آپ کی رحمت کے طلب گار ہیں۔

یا اللہ! اس ماہ کا ایک ایک لحہ، ایک ایک سانس ہمارے لئے باعث رحمت بنا دیجئے۔

یا اللہ! ہمیں ہر خطا و عصیان سے محفوظ رکھئے ہر تقصیر و کوتاہی سے محفوظ رکھئے۔

یا اللہ! ہم کو اپنے نبی الرحمۃ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شرمندگی سے بچا لیجئے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش کرنے کے لئے ہم پر اور تمام امت مسلمہ پر رحم فرمائیے۔

جہاد اور نیت

وعن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها قالت: قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: لا هجرةً بعد الفتح، ولكن جهادٌ ونيةٌ واذا استنفرتم فانفروا." متفقٌ عليه. ومعناه لا هجرة من مكة لانها صارت دار اسلامٍ (متفق عليه)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد ارشاد فرمایا فتح (مکہ) کے بعد ہجرت تو (باقی) نہیں رہی (اس لئے کہ مکہ اب دارالاسلام اسلامی شہر بن گیا) لیکن جہاد اور نیت (اب بھی) باقی ہیں (اور قیامت تک باقی رہیں گے لہٰذا) جب بھی تم کو جہاد کے لئے روانہ ہونے کی دعوت دی جائے تو فوراً روانہ ہو جاؤ۔

ہجرت

مکہ معظمہ کے فتح ہونے سے پہلے مکہ سے مدینہ ہجرت کرنا اس قدر اہم اور ضروری فرض تھا کہ اگر مکہ کا رہنے والا قدرت کے باوجود مکہ سے مدینہ ہجرت نہیں کرتا تھا تو اس کا ایمان واسلام بھی معتبر نہ ہوتا تھا جب تک کہ وہ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ نہ آئے لیکن مکہ کے فتح ہو جانے اور دارالاسلام اسلامی ملک' بن جانے کے بعد یہ خاص ہجرت یا ہجرت کی یہ اہمیت باقی نہیں رہی۔

موجودہ زمانہ میں ہجرت کا حکم

چنانچہ اب اگر کافروں کے ملک میں کوئی شخص مسلمان ہو اور وہ کفار اس کو اسلامی عبادات واحکام پر عمل کرنے سے نہ روکیں تو اس مسلمان پر اس دارالکفر سے ہجرت کر کے کسی اسلامی ملک میں جا کر آباد ہونا فرض نہیں ہے اسی طرح مسلمان اگر کسی کافروں کے ملک میں آباد ہوں اور وہ کفار ان کو مذہبی آزادی دینے کے لئے تیار ہوں تو وہاں مستقل طور پر سکونت اختیار کر سکتے ہیں اگر چہ بہتر اور افضل اب بھی یہی ہے کہ جو شخص کسی کفار کے ملک میں اسلام لائے وہ اس دارالکفر کو چھوڑ کر کسی اسلامی ملک میں جا کر آباد ہو جائے اسی طرح عام حالات میں مسلمانوں کو کفار کے ملک میں مستقل طور پر وہاں کا شہری بن کر نہ رہنا چاہئے یہی دینی اور دنیوی مصلحتوں کا تقاضہ ہے تجربہ بھی اس کا شاہد ہے تاہم اب یہ ترک وطن (ہجرت) فرض بہر حال نہیں ہے یہی مطلب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کا ہے کہ فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں رہی" (ہجرت کے تفصیلی احکام کتب فقہ سے معلوم کیجئے)

جہاد

لیکن اسلام اور کفر کا مقابلہ اور مسلمانوں کی کافروں سے لڑائی اور اس کی تیاریاں رہتی دنیا تک باقی رہیں گی حدیث شریف میں آیا ہے "جہاد قیامت تک جاری رہے گا" اس لئے جہاد اور اس میں نیک نیتی کا اعتبار اور اسی پر اجر وثواب کا دار ومدار ہمیشہ ہمیشہ باقی رہے گا اسی لئے جب بھی کوئی اسلامی ملک کا مسلمان فرمان روا اللہ کی راہ میں کافروں سے جنگ کرنے کے لئے میدان جنگ میں جانے (فوج میں بھرتی ہونے) اور لڑنے کی دعوت دے تو حسب استطاعت ہر مسلمان کا' خواہ وہ اس ملک کا باشندہ ہو خواہ کسی دوسرے اسلامی ملک

کا فرض ہے کہ وہ محض اللہ تعالیٰ کے دین کی حفاظت کے لئے کفار سے جنگ کرے، بجز ان معذور لوگوں کے جن کو اللہ تعالیٰ نے خود اپنی رحمت سے مجبور و معذور قرار دے دیا ہے (جہاد کے فرض ہونے کے شرائط اور تفصیلی احکام کتب فقہ سے معلوم کیجئے)

جہاد اسلام کی سب سے بڑی عبادت ہے

فتح مکہ سے پہلے ہجرت اور جہاد اور اس کے بعد صرف جہاد اسلام کی سب سے زیادہ اہم اور موجب اجر وثواب عبادتیں ہیں مگر ان دونوں کی اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبولیت اور اجر وثواب ملنے کا مدار صرف اخلاص اور نیت پر ہے اگر رضائے الٰہی کے علاوہ کسی بھی اور نیت سے کرے گا تو یہ عبادتیں بھی مردود ہیں اگر اللہ تعالیٰ کے لئے کرے گا تو دنیا اور آخرت دونوں میں اجر عظیم پائے گا یہی اس حدیث کی اصل روح ہے۔

یہ حدیث شریف بھی قرآن کریم کی مذکورہ ذیل آیت سے مقتبس اور ماخوذ ہے۔

یجاهدون فی سبیل الله ولایخافون لومة لائم (مائده: ۵۴)

جو اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہونگے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔

اخلاص کے ساتھ عمل کا ثواب ملتا ہے

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک غزوہ (جنگ) میں گئے ہوئے تھے (راستہ میں ایک دن) آپ نے صحابہ کرام سے خطاب کر کے فرمایا: مدینہ میں کچھ ایسے لوگ رہ گئے ہیں) کہ (جو اگرچہ اس وقت تمہارے ساتھ نہیں ہیں مگر) تم نے جو بھی مسافت طے کی ہے اور جس وادی (کھلے میدان) سے تم گزرے ہو وہ تمہارے ساتھ (اور شریک سفر) رہے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کو صرف دکھ بیماری نے (اس سفر جہاد سے) روک دیا ہے (ورنہ ان کے دل جہاد میں شرکت کے لئے تڑپ رہے ہیں) ایک روایت میں ''تمہارے ساتھ ہیں'' کے بجائے ''وہ اجر میں تمہارے شریک ہیں'' آیا ہے یہ تو صحیح مسلم کی روایت ہے۔

دُعا کیجئے

یا اللہ! آپ کے محبوب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی اس وقت جہاں جہاں بھی ہیں اور دشمنوں کی زد میں ہیں، سازشوں میں ہیں۔ ان کی حفاظت فرمائیے ان کو ہدایت دیجئے اور ان کو دشمنوں سے آزاد کر دیجئے۔ اعدائے دین کی سازشوں سے ان کو بچا لیجئے۔

یا اللہ! تمام ممالک اسلامیہ میں پھر اسلام کی حیات طیبہ عطا فرما دیجئے۔ ان کی اعانت ونصرت فرمائیے۔

یا اللہ! یہ ملک پاکستان جو اسلام کے نام پر قائم ہوا تھا اس کو گمراہیوں سے بچائیے۔ ہر قسم کے فواحش ومنکرات سے جو رائج الوقت ہو رہے ہیں۔ ان سے محفوظ رکھئے۔

اولاد پر خرچ کرنے پر بھی اجر وثواب

وعن ابی یزید معن بن یزید بن الاخنس رضی اللہ عنھم، وھو وابوہ وجدہ صحابیون، قال: کان ابی یزید اخرج دنانیر یتصدق بھا فوضعھا عند رجلٍ فی المسجد فجئت فاخذتھا فأتیتہ بھا. (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت ابویزید معن بن یزید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: (ایک مرتبہ) میرے والد یزید نے صدقہ کرنے کے لئے کچھ دینار (اشرفیاں) نکالے اور مسجد میں ایک آدمی کے پاس رکھ دیئے (کہ جو ضرورت مند آئے اس کو دے دینا) (اتفاق سے میں مسجد میں آیا تو اس آدمی نے مجھے ضرورت مند دیکھ کر وہ دینار دے دیئے) میں نے لے لئے اور ان کو لے کر (گھر) آیا اور والد صاحب کو بتلایا تو انہوں نے فرمایا: بخدا میں نے تجھے دینے کی نیت تو نہیں کی تھی (میں نے تو اور محتاجوں مسکینوں کو دینے کے لئے رکھے تھے) تو میرے اور ان کے درمیان بحث ہونے لگی (میں کہتا تھا کہ میں سب سے زیادہ ضرورت مند اور محتاج ہوں پہلے میرا حق ہے وہ کہتے تھے کہ میں نے تو صدقہ کی نیت سے یہ دینار نکالے ہیں تو تو میری اولاد ہے تیری کفالت تو میرا فرض ہے اولاد کو صدقہ نہیں پہنچتا آخرکار ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں فیصلہ کے لئے حاضر ہوئے تو آپ نے (ہم دونوں کے بیان سن کر) فرمایا اے یزید تم نے جو صدقہ کی نیت سے یہ دینار نکالے ہیں اس کا ثواب تم کو ضرور ملے گا اور (مجھ سے) فرمایا: اے معن! تم نے جو لیا وہ تمہارے لئے (حلال) ہے (جاؤ اپنی ضرورتوں میں خرچ کرو)

اہل وعیال پر صدقہ کا حکم

زکوٰۃ اور صدقات واجبہ مثلاً صدقہ فطر، صدقہ نذر وغیرہ تو اولاد کو دینے سے نہیں ادا ہوتے ہاں نفل صدقات اگر صدقہ کی نیت سے ضرورت مند اور محتاج اولاد کو دیئے جائیں تو ادا ہو جاتے ہیں بلکہ اس میں دوگونہ ثواب ملتا ہے صدقہ کا بھی اور صلہ رحمی کا بھی، حضرت یزیدؓ کو غالباً یہ مسئلہ معلوم نہ تھا اس لئے وہ یہ سمجھ کر معترض ہوئے کہ میں صدقہ کے ثواب سے محروم ہو گیا حالانکہ میری نیت یہی تھی حضرت معنؓ کا کہنا یہ تھا کہ میں ضرورت مند بھی ہوں اور آپ کی اولاد بھی اس لئے میں بنسبت اور فقراء ومساکین کے آپ کی اعانت اور صلہ کا زیادہ مستحق ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسئلہ بتلا کر حضرت یزیدؓ کو مطمئن کر دیا کہ تمہاری صدقہ کی نیت کا ثواب تمہیں ضرور ملے گا۔

نیت کا پھل اور اللہ تعالیٰ کی شان کرم

دیکھئے اللہ تعالیٰ کی شان کریمی! بظاہر حضرت یزید کے وہ دینار گھر کے گھر ہی میں رہے مگر اللہ تعالیٰ نے محض ان کی نیت کی بنا پر ان کو صدقہ کے اجر وثواب سے سرفراز فرما دیا۔ سبحان اللہ! سچ فرمایا ہے: دین میں ذرہ برابر تنگی نہیں کوئی عمل کر کے تو دیکھے۔

ہر مسلمان کو نفل صدقات، صدقہ ہی کی نیت سے، سب سے پہلے اپنے محتاج اور ضرورت مند متعلقین اور قرابتداروں کو دینے چاہئیں تاکہ صدقہ اور صلہ رحمی دونوں کا ثواب ملے اور دو عبادتیں ادا ہوں ایک اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدقہ کرنا دوسرے صلہ رحمی کرنا۔

یہ حدیث مندرجہ ذیل آیت کریمہ سے ماخوذ ومقتبس ہے۔

وآتی المال علی حبه ذوی القربی والیتامیٰ والمساکین الآیة (البقرة : ۱۷۷)

اور مال کی محبت کے باوجود اس کو قرابت داروں یتیموں اور مسکینوں کو دے دیا۔ دیکھئے اس آیت کریمہ میں قرابت داروں کا حق سب سے پہلے رکھا ہے۔

صحیح بخاری میں یہی حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ غزوہ تبوک (تبوک کی لڑائی) سے واپس آرہے تھے کہ آپ نے فرمایا بے شک بہت سے وہ لوگ جن کو ہم مدینہ میں چھوڑ آئے ہیں جس گھاٹی سے ہم گزرے ہیں اور جس وادی کو ہم نے طے کیا ہے وہ لوگ اس میں ہمارے ساتھ رہے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کو مجبوری ومعذوری نے بے بس کردیا ہے۔

نیت کی اہمیت

حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ جو مجبور ومعذور لوگ کسی کارخیر مثلاً حج جہاد صدقات وخیرات وغیرہ کا جذبہ صادق اور پختہ ارادہ ونیت دل میں رکھتے ہیں مگر مجبوری ومعذوری کی وجہ سے اس کارخیر کو کرنہیں سکتے ان کو بھی اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس نیک نیتی اور اخلاص کی بناء پر اس کارخیر کا ثواب عطا فرمادیتے ہیں سبحان اللہ کتنی مفید چیز ہے خلوص اور نیک نیتی! چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو شخص دل سے کسی نیک کام کی نیت کرتا ہے تو ایک نیکی کا ثواب تو اسی وقت اس کے لئے لکھ دیا جاتا ہے اور جب اس پر عمل کرلیتا ہے تو دس نیکیوں کا ثواب لکھ دیا جاتا ہے درحقیقت نیک نیتی خود ایک مستقل عبادت 'عبدیت (بندگی) کا تقاضا اور تعلق مع اللہ (اللہ سے تعلق) کی دلیل ہے اسی لئے حدیث شریف میں آیا ہے کہ "آدمی کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے" لہٰذا انسان کا فرض ہے کہ وہ نیک کام جو اللہ تعالیٰ کی رضا' خوشنودی اور قرب کا موجب ہیں اگرچہ ظاہری اسباب ووسائل کی بناء پر اس کی قدرت سے باہر بھی ہوں تب بھی ان پر عمل کرنے کی پختہ نیت' جذبہ صادق اور شوق کامل اپنے دل میں ضرور رکھے تاکہ ان کاموں پر عمل کرنے کی سعادت اگر میسر نہ بھی آئے تو کسی نہ کسی درجہ میں ان کے اجر وثواب سے تو محروم نہ رہے خصوصاً جہاد کہ اس کے متعلق تو حدیث شریف میں آیا ہے کہ جس مسلمان کے دل نے کبھی اس کو جہاد کے لئے کہا بھی نہیں (یعنی کبھی اس کے دل میں خیال بھی نہیں آیا) اور اسی حالت میں وہ مر گیا تو وہ جاہلیت کی موت مرا (العیاذ باللہ) اور ظاہر ہے کہ اس نیت' جذبہ اور شوق سے تو بجز بدبختی اور شومی قسمت کے اور کوئی چیز مانع ہو ہی نہیں سکتی مفت کا اجر وثواب ہاتھ آتا ہے۔

ہماری حالت

مگر وائے محرومی وشومی کہ ہمارے دلوں کو دنیوی اغراض وخواہشات نے ایسا مردہ بنادیا ہے کہ بقول شاعر "کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا" یہ سب کچھ ایمان یعنی تعلق مع اللہ کے ضعف کا نتیجہ ہے ہمارا ایمان واسلام تو اب برائے نام رہ گیا ہے اس لئے ہمیں جلد از جلد اور پہلی فرصت میں اللہ تعالیٰ سے اپنا رشتہ از سر نو جوڑنا چاہئے اور اس کو زیادہ سے زیادہ پختہ کرنا چاہئے تاکہ اللہ تعالیٰ اس نیک نیتی اور نیک عملی کی سعادت حاصل کرنے کی توفیق ہمیں عطا فرمائیں۔ آمین۔

دُعا کیجئے: یا اللہ! ہمیں ظاہری وباطنی ہلاکت سے بچا لیجئے اور اپنی مغفرت ورحمت کا مورد بنادیجئے اور عذاب نار سے بچا لیجئے۔

خرچ کرنے پر اجروثواب

وعن ابی اسحاق سعد بن ابی وقاصٍ مالک ابن اھیب ابن عبد مناف ابن زھرۃ بن کلاب بن مرۃ بن کعب بن لویٍ القریشی الزھری رضی اللہ عنہ احد العشرۃ المشھود لھم بالجنۃ رضی اللہ عنھم

ترجمہ: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، جو ان دس صحابیوں میں سے ایک ہیں جن کو جیتے جی دنیا میں ہی جنتی ہونے کی بشارت دے دی گئی ہے سے روایت ہے کہ ۱۰ھ میں حجۃ الوداع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری حج) کے سال (میں مکہ میں جا کر شدید مرض میں مبتلا ہو گیا تو) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "فداہ ابی وامی" (آپ پر میرے ماں باپ قربان) میری عیادت (مزاج پرسی) کیلئے میرے پاس تشریف لائے۔ میری بیماری انتہائی شدت اختیار کر چکی تھی (اور حالت نازک ہو گئی تھی) تو میں نے (یہ سمجھ کر یہ میرا آخری وقت ہے) عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ ملاحظہ فرما رہے ہیں کہ میری بیماری خطرناک حد کو پہنچ گئی ہے اور میں کافی مالدار ہوں اور (میری صلبی وارث) صرف میری ایک لڑکی ہے (اس کے لئے تہائی مال بہت ہے) تو کیا میں دو تہائی مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدقہ (فقراء ومساکین کے لئے وصیت) نہ کر دوں؟ آپ نے فرمایا: "نہیں" میں نے عرض کیا (اچھا) آدھا مال یا رسول اللہ آپ نے فرمایا "نہیں" تو میں نے عرض کیا: (اچھا) ایک تہائی مال آپ نے فرمایا "نہیں" تہائی مال (میں حرج نہیں) اور تہائی بھی بہت ہے" یا (فرمایا) "بڑا حصہ ہے" (اس کے بعد آپ نے زیادہ سے زیادہ ایک تہائی مال کا صدقہ کرنے اور باقی کو محفوظ رکھنے کی حکمت بیان کی) اور فرمایا: یاد رکھو! (اگر تم اس بیماری میں وفات پا جاتے ہو تو) بے شک تم اپنے وارثوں کو (اپنے مرنے کے بعد) غنی اور مالدار چھوڑو یہ اس سے (بدرجہا) بہتر ہے کہ تم ان کو (مال میراث سے محروم کر کے) محتاج ومفلس چھوڑو کہ وہ ایک ایک کے سامنے ہاتھ پھیلاتے (اور بھیک مانگتے) پھریں (اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ تم زیادہ سے زیادہ تہائی مال کی وصیت کرو باقی ورثاء کے لئے رہنے دو) اور (اگر تم زندہ رہتے ہو تو) بیشک تم اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کی نیت سے جو مال بھی خرچ کرو گے تمہیں ضرور اس کا اجر ملے گا یہاں تک کہ تم اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی نیت سے) اپنی بیوی کے منہ میں لقمہ بھی دو (تو وہ بھی عبادت ہے اور اس کا بھی تم کو اجر ملے گا اور اللہ تعالیٰ کے لئے یہ انفاق (خرچ کرنا) اسی صورت میں ممکن ہے کہ تمہارے پاس مال ہو اس لئے ایک تہائی سے زیادہ کی وصیت نہ کرو اور باقی مال رہنے دو) اس پر سعد بن وقاص نے عرض کیا: تو کیا یا رسول اللہ! میں اپنے ساتھیوں سے پیچھے رہ جاؤں گا؟ (اور آپ کے ساتھ مکہ سے مدینہ واپس نہ جا سکوں گا؟) آپ نے فرمایا: تم پیچھے رہ بھی گئے تو جو بھی نیک کام تم اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کرو گے یقیناً اس کی وجہ سے تمہارا درجہ زیادہ (سے زیادہ) اور بلند (سے بلند تر) ہو گا اور غالب تو یہی ہے کہ تم (اس بیماری کے) پیچھے (زندہ) رہو گے اور تمہاری ذات سے بہت سے لوگوں (مسلمانوں) کو نفع پہنچے گا اور بہت سے لوگوں (کفار) کو ضرر پہنچے گا (مسلمان تمہاری زیر قیادت اموال غنیمت اور اجروثواب جہاد سے مالا مال ہوں گے اور کفار کو تمہاری جنگ اور تاخت وتاراج سے بے پایاں جانی مالی اور ملکی نقصان اٹھانا پڑے گا چنانچہ عراق کی لڑائیوں میں ایسا ہی ہوا اس کے بعد حضرت سعد نے جس خطرہ کا اظہار کیا تھا کہ کیا میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ مکہ سے مدینہ واپس نہ جا سکوں

گا اس کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرماتے ہیں) اے اللہ تو میرے صحابہؓ کی مکہ سے مدینہ ہجرت کو برقرار رکھیو اور ان کو پچھلی حالت پر نہ لوٹائیو (یعنی پھر مکہ کی سکونت پر انہیں مجبور نہ کیجیو) لیکن قابل رحم تو ہی بیچارہ سعد بن خولہ (کہ حج کے لئے مکہ آیا اور وہیں اس کی وفات ہوگئی) راوی کہتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد اس کلمہ سے سعد بن خولہ کی حالت پر تاسف وترحم کا اظہار ہے کہ ان کی وفات (آپ کی اس دعا سے پہلے ہی) مکہ میں ہوگئی اور وہ آپ کی دعا سے فائدہ نہ اٹھا سکے)۔

مال کی دینی اہمیت

تمام تر مالی عبادات اور حقوق العباد ادا کر کے اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کا واحد ذریعہ ''مال'' ہے اور اسی لحاظ سے مال اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے اس لئے کہ انسان نیک نیتی اور اخلاص کے ساتھ مالی عبادتوں میں اور اللہ کے مقرر کردہ بندوں کے حقوق ادا کرنے میں اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا مال خرچ کر کے ہی اس کی رضا اور خوشنودی حاصل کرسکتا ہے اور یہی خرچ کرنا اس نعمت کا شکریہ اور اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے بموجب دنیا میں مال کی زیادتی، فراوانی اور برکت کا موجب اور آخرت میں درجات کی بلندی کا باعث ہے ایک مفلس اور تہی دست آدمی محض مال نہ ہونے کی وجہ سے ان تمام سعادتوں سے محروم رہتا ہے اسی لئے حدیث میں ''مال کو بہترین مددگار بتلایا ہے)۔

مال دیکھ بھال کر خرچ کرنا چاہئے

لہٰذا جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہے اسے سارا کا سارا مال ایک ہی دفعہ صدقہ خیرات ہی میں کیوں نہ ہو، خرچ نہ کردینا چاہئے بلکہ تھوڑا تھوڑا اور بقدر ضرورت اپنی اپنے اہل وعیال کی، قرابتداروں کی، پڑوسیوں کی ان کے علاوہ اور حاجتمندوں کی ضرورتوں کو پورا کرنے اور حقوق العباد ادا کرنے میں صرف کرنا بھی اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور یہی اس کی رضا اور خوشنودی کے حصول کا ذریعہ ہے حتیٰ کہ اگر بیمار ہوجائے اور زندگی کی کچھ زیادہ توقع نہ رہے تب بھی سارا کا سارا مال فقراء اور مساکین کو صدقہ نہ کردینا چاہئے کہ اس میں وفات پاجانے کی صورت میں ورثاء کی حق تلفی ہوگی اور زندہ رہنے کی صورت میں خود خالی ہاتھ رہ جائے گا نہ اپنی ضرورتیں پوری کرسکے گا نہ دوسروں کی اور اس حق تلفی یا حاجت روائی سے محرومی کا سبب یہی بے اعتدالی ہوگی اسی لئے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے ارشاد ہے۔

ولا تبسطها كل البسط فتقعد ملوماً محسوراً بنی اسرائیل: ۲۹

تم اپنا ہاتھ بالکل ہی نہ کھول دو (سارا کا سارا مال ایک دفعہ ہی نہ خرچ کردو) کہ تمہیں قابل ملامت اور بے دست وپا ہو کر بیٹھنا پڑے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ بالا حدیث میں سعد بن ابی وقاصؓ کو اور ان کے بعد آنے والی نسلوں کو سارا کا سارا مال ایک دفعہ ہی صدقہ کردینے سے منع کرنے کی یہی مصلحت سمجھائی ہے اسی پر ہر مسلمان کو جسے اللہ تعالیٰ نے اس نعمت سے نوازا اور مالدار بنایا ہو عمل کرنا چاہئے۔

دُعا کیجئے:

یا اللہ! ہمارے قلوب کی صلاحیتیں درست فرما دیجئے، ایمانوں میں تازگی عطا فرما دیجئے۔ تقاضائے ایمان بیدار فرما دیجئے ہمارے دلوں میں گناہوں سے نفرت پیدا فرما دیجئے، غیرت پیدا فرما دیجئے۔

یا اللہ! جو جو دشواریاں، بیماریاں، پریشانیاں جس میں ہم مبتلا ہیں اور آنے والے خدشات آفات ہیں ان سب سے ہم کو محفوظ رکھئے۔

بیوی پر خرچ کرنے میں اجروثواب

وعن ابی اسحاق سعد بن ابی وقاصِ مالک ابن اھیب ابن عبد مناف ابن زھرة بن کلاب بن مرة بن کعب بن لوئِ القریشی الزھری رضی اللہ عنہ احد العشرة المشھود لھم بالجنة رضی اللہ عنھم

اس حدیث میں کارخیر کے ذیل میں بیوی کے منہ میں نوالہ دینے کا ذکر مثال کے طور پر آیا ہے اس لئے کہ انسان اپنی نادانی کی وجہ سے بیوی بچوں کی دلجوئی کو اوران کی ضرورتوں کو پورا کرنے کو ایک "طبعی" بلکہ "نفسانی" تقاضہ سمجھ کر پورا کرتا ہے اور اجر عظیم سے محروم رہتا ہے جیسے اس سے پہلی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاجت منداولاد کی حاجت روائی پر صدقہ کے ثواب کا اعلان فرما کر اس کے عبادت اور موجب ثواب ہونے سے آگاہ فرمایا ہے ایسے ہی اس حدیث میں بیوی کی دلجوئی اوراس کے حقوق کی ادائیگی کواللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا ذریعہ اور اجروثواب کا موجب قراردے کراس کے عبادت وطاعت ہونے سے آگاہ فرمایا ہے ایک ایسے ہی موقع پرایک صحابی نے ازراہ تعجب عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص اپنی بیوی کا بوسہ لیتا ہے یہ بھی صدقہ ہے؟ (یہ توسراسر نفسانی خواہش کا تقاضہ ہے) رحمت دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے دریافت فرمایا: اگریہی بوسہ وہ کسی اجنبی عورت کا لے تواس پر گناہ ہوگا یانہیں؟ صحابی نے عرض کیا "ضرور گناہ ہوگا" اس پر آپ نے فرمایا "(تو جب اس نے جائز محل میں اور حلال طریق پر اپنی خواہش کو پورا کیا ہے) تواس پرضرور ثواب ملنا چاہئے"۔

ہماری نادانی اور ناواقفیت کا نقصان عظیم

بہرصورت یہ ہماری بڑی محرومی اور قابل صدافسوس نادانی اورغفلت ہے کہ ہم رات دن تمام جائز طبعی تقاضوں اورخواہشوں کو پورا کرتے ہیں اوران میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت اورخوشنودی کے حصول کا قطعاً خیال اورنیت نہیں کرتے اور سمجھتے ہیں کہ "یہ تو دنیوی کام ہے انہیں دین سے کیا تعلق اوران میں عبادت وطاعت کا کیا دخل" اور غلط فہمی بلکہ کج فہمی کی وجہ سے گوناگوں اجروثواب سے محروم رہتے ہیں یہی نہیں بلکہ یہ طبعی تقاضے اور عادت کے تحت کئے جانے والے تمام جائز کام اور ان میں مشغولیت وانہماک اس کج بینی اور کج فہمی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے غافل اور دور سے دور تر ہونے کا سبب بنتے ہیں اس کی وجہ صرف ہماری جہالت یا بے توجہی ہے۔

ہماری ساری زندگی عبادت بن سکتی ہے

کمی اور قصور صرف نیت اور ارادہ کا ہے اگر ہم اپنے ان تمام تر طبعی تقاضوں' خواہشوں اور عادی امور کو پورا کرنے کے وقت دل میں یہ نیت اورارادہ رکھیں کہ "ہم یہ تمام کام صرف اس لئے کررہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے ان کو ہمارے لئے حلال اور جائز کیا ہے تو ہماری ساری زندگی عبادت اور ہر عادت وطاعت اور تمام دنیا دین بن جائے اور ہماری زندگی کے تمام لیل ونہار اللہ تعالیٰ کی عبادت وطاعت میں گزریں۔

سبحان اللہ کتنا آسان ہے اللہ تعالیٰ کے راستہ پر چلنا اور کتنا سہل ہے دین پر عمل کرنا مگر وائے محرومی! کہ ہم اپنی بے حسی اور بے توجہی کی وجہ سے اس سعادت سے محروم رہتے ہیں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کی ان احادیث قدسیہ اور کلمات طیبہ کے پڑھنے سے ہمارے دلوں سے غفلت اور بے حسی کے پردے ہٹادے اور ہمیں نیک نیتی اور نیک عملی کی توفیق عطا فرمادے۔

مہاجرین کے لئے دعا

اسلام کے ابتدائی عہد میں یعنی فتح مکہ سے پہلے تک، مکہ سے مدینہ ہجرت کرنا سب سے بڑی عبادت اور سب سے بڑی فضیلت اور عنداللہ قبولیت کا موجب تھا مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آنے والے تمام مہاجرین صحابہ اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس ہجرت کو کسی بھی صورت میں فسخ کرنے یعنی فتح مکہ کے بعد مکہ میں جا کر آباد ہونے کو گوارا نہیں کرتے تھے نہ ہی ان کے لئے جان بوجھ کر ایسا کرنا جائز تھا ان کو ڈر صرف اس امر کا رہتا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم مکہ جائیں حج یا عمرہ کی نیت سے اور کسی ناگہانی بیماری یا آفت سے وہیں وفات پا جائیں اور انجام کار ہم اس ہجرت کی فضیلت سے محروم ہو جائیں جیسا کہ سعد بن خولہ کے ساتھ پیش آیا جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اظہار افسوس فرمایا ہے۔ یہی ڈر حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ کو تھا جس کا اظہار انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیا چونکہ موت زندگی خدا کے ہاتھ میں ہے اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے بھی مہاجرین کی ہجرت کو آخرت وقت تک باقی رکھنے کی دعا فرمائی تب حضرت سعدؓ کو اطمینان ہوا۔

شرعاً مرتے وقت کا صدقہ وصیت ہوتا ہے

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ مرتے وقت کا صدقہ وصیت ہوتا ہے اور وصیت زیادہ سے زیادہ ایک تہائی مال میں ہو سکتی ہے اگر مرنے والا اس سے زیادہ کی وصیت کرے تو اس کا اعتبار نہیں اور ادائے قرض کے بعد، اگر قرض ہو، بقیہ مال کا دو تہائی بہر صورت وارثوں کو ملے گا۔

مذکورہ بالا حدیث کے احکام مندرجہ ذیل آیتوں سے ماخوذ و مقتبس ہیں۔

بیوی کی دلجوئی اور اس کے ساتھ اچھا سلوک آیت کریمہ **وعاشروهن بالمعروف** سے ثابت ہے اور بیوی کی ضروریات کی کفالت! آیت کریمہ **الرجال قوامون علی النسآء بمافضل الله بعضهم علی بعض وبمآانفقوا** سے ثابت ہے اور اولاد کی ضروریات کی کفالت! **وعلی المولود له رزقهن وکسوتهن بالمعروف** سے ثابت ہے

دُعا کیجئے

یا اللہ! اپنے محبوب شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہونے کی حیثیت سے حشر میں ہم پر اپنی رحمتیں نازل فرمایئے۔ ہم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کبریٰ نصیب فرمایئے ہمارے ظاہر کو بھی پاک کر دیجئے اور باطن کو بھی پاک کر دیجئے۔

یا اللہ! ہم کو اپنی عبادات وطاعات خاصہ کی توفیق، اپنے نبی الرحمۃ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کی توفیق فرمایئے۔

یا اللہ! یا اللہ لغزشوں سے نفس وشیطان کے مکائد سے ہم کو محفوظ فرمایئے۔

یا اللہ! مجبوراً معاشرہ کے غلبہ سے اور نفس وشیطان کے غلبہ سے ہم سے جو فسق وفجور کے کام ہوئے ہیں ہم ان سے نفرت کرتے ہیں اور چھوڑ دینے کا عزم کرتے ہیں۔ مگر ڈرتے ہیں کہ پھر ہم سے ان کا ارتکاب ہو جائے گا۔ یا اللہ آپ ہی محافظ حقیقی ہیں۔ رحم کرنے والے ہیں ہم پر رحم فرمایئے، ہمیں محفوظ رکھئے اور اپنا مورد رحمت بنا لیجئے۔

اللہ تعالیٰ دلوں کو دیکھتے ہیں

وعن ابی هریرة عبدالرحمٰن بن صخرٍ رضی اللہ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم:
"ان اللہ لا ینظر الیٰ اجسامکم، ولا الیٰ صورکم، ولکن ینظر الیٰ قلوبکم" رواہ مسلم.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نہ تمہارے جسموں کو دیکھتے ہیں نہ تمہاری صورتوں کو، لیکن وہ تو تمہارے دلوں کو دیکھتے ہیں (یعنی صرف ظاہری شکل وصورت اور محض ظاہری دینداری کو دیکھنے کے بجائے تمہارے دلوں میں چھپی ہوئی نیتوں کو دیکھتے ہیں)

حدیث کا مطلب اور ایک غلط فہمی کا ازالہ

اس حدیث شریف کا مطلب بھی وہی نکلتا ہے جو سب سے پہلی حدیث کا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں تمام عبادات وطاعات کی قبولیت کا مدار نیتوں پر ہے، صرف اعمال پر نہیں، لیکن حدیث کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ مسلمانوں اور دینداروں کی سی شکل وصورت اور ظاہری احکام واعمال کی پابندی اللہ تعالیٰ کے ہاں مطلوب نہیں ہے جیسا کہ بعض بے دین لوگ اپنی کافروں کی سی شکل وصورت، وضع قطع، تہذیب ومعاشرت اور بے دینی کا جواز ثابت کرنے اور ظاہری احکام کی اہمیت کم کرنے کے لئے کہہ دیا کرتے ہیں: میاں! اللہ تعالیٰ شکل وصورت اور ظاہری اعمال کو نہیں دیکھتے وہ تو دلوں کو دیکھتے ہیں ہمارے دل ایمان کے نور اور خدا پرستی کی روشنی سے معمور ہیں؟ یہ کھلا ہوا شیطانی دھوکا اور فریب ہے قصداً عبادات واحکام الٰہیہ کو ترک کرنے والے اور غیر مسلموں کی شکل وصورت رکھنے والے لوگوں کی اللہ تعالیٰ کے ہاں قبولیت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا وہ تو کھلے ہوئے نافرمان اور بے دین ہیں اگر توبہ نہ کریں گے تو اپنے کئے کی سزا ضرور بھگتیں گے مسلمانوں اور دینداروں کی سی شکل وصورت، وضع قطع اور اسلامی معاشرت اختیار کرنا، کافروں اور بے دینوں کی مشابہت اور نقال سے احتراز کرنا اللہ تعالیٰ کا حکم ہے جو اس کی خلاف ورزی کررہے ہیں وہ قطعاً نافرمان اور گنہگار ہیں حدیث کا مطلب قطعاً یہ ہے کہ احکام الٰہیہ کی پابندی اور عبادت گزاری اسی وقت کارآمد اور موجب نجات ہوسکتی ہے جبکہ اس کے ساتھ اخلاص اور نیک نیتی بھی ہو ورنہ دکھلاوے یا شہرت یا کسی بھی اور غرض کے لئے کی ہوئی عبادت وطاعت مردود ہے۔

حدیث کا ماخذ

یہ حدیث آیت کریمہ **لن ینال اللہ لحومها ولا دمآء وها ولکن یناله التقویٰ منکم** سے ماخوذ اور مقتبس ہے۔

دُعا کیجئے

یا اللہ! ہم سے زیادہ محتاج اور کون ہے، ہم آپ کے فضل وکرم کے بہت محتاج ہیں، ہمیں اپنا فرمانبردار بنالیجئے، اپنے نبی الرحمۃ صلی اللہ علیہ وسلم کا وفادار، سچا اُمتی بنادیجئے،

یا اللہ! ہم کو اپنی عبادات وطاعات خاصہ کی توفیق، اپنے نبی الرحمۃ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کی توفیق فرمائیے۔

یا اللہ! یا اللہ لغزشوں سے نفس وشیطان کے مکائد سے ہم کو محفوظ فرمائیے۔

کون سا جہاد اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد ہے

وعن ابی موسیٰ عبداللہ بن قیس الاشعری رضی اللہ عنہ قال: سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الرجل یقاتل شجاعۃً، ویقاتل حمیۃً ویقاتل ریاءً ای ذٰلک فی سبیل اللہ.

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ بعض لوگ بہادری (دکھانے) کیلئے جنگ کرتے ہیں بعض لوگ قومی حمیت وغیرت (کے جذبہ) کی وجہ سے اور بعض لوگ محض دکھلاوے کے لئے جہاد کرتے ہیں ان میں سے کون سا جہاد اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: جو لوگ اس لئے جنگ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی بات اونچی رہے وہ جہاد اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد ہے (ان تینوں جنگوں میں سے ایک بھی جہاد فی سبیل اللہ نہیں ہے)

قومی غیرت وحمیت

شجاعت اور بہادری، قومی غیرت وحمیت پسندیدہ جذبات ہیں بشرطیکہ یہ اللہ تعالیٰ کے دین کو سربلند کرنے یا سربلند رکھنے کے لئے کارفرما ہوں محض بہادری دکھانے یا ملک وقوم میں نکو بننے سے بچنے کیلئے، لڑنے کو یقیناً اللہ تعالیٰ کے لئے لڑنا نہیں کہا جاتا اور نہ ہی وہ عند اللہ پسندیدہ اخلاق وفضائل میں شمار ہوتا ہے اسی طرح وطن ملک اور قوم کی حفاظت اور ان سے دفاع فرض ہے مگر اسی وقت جبکہ اس کا اصل مقصود ومطلب ''اللہ تعالیٰ کے دین'' کو سربلند رکھنا ہو یہی وہ جہاد فی سبیل اللہ ہے جس میں آخرت کے اجر وثواب کے ساتھ ساتھ تمام مادی اور دنیوی منافع بھی ضرور حاصل ہوں گے مگر یہ مادی اور دنیوی منافع مسلمانوں اور خدا پرستوں کے اصلی مقاصد اور اغراض نہ ہونے چاہئیں جان تو جان دینے والے ہی کی راہ میں دی جاسکتی ہے اور اسی کے حکم پر قربان کی جاسکتی ہے اور اسی صورت میں شہادت کی زندگی جاوید حاصل ہوسکتی ہے۔

جہاد اور جنگ میں فرق

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی جو جنگ محض وطن قوم اور حکومت یا کسی بھی اور دنیوی غرض کے لئے ہو وہ جنگ ہے جہاد نہیں اس لئے ان اغراض ومقاصد کے لئے تو کفار بھی جنگ کیا کرتے ہیں پھر کافروں اور خدا پرستوں کی لڑائی میں فرق کیا رہا دیکھئے کتنی بدقسمتی ہے ان مسلمانوں کی جو اللہ تعالیٰ کے دین کو سربلند کرنے یا رکھنے کی نیت اور قصد کے بجائے محض ملک، قوم، وطن یا صرف اپنی آزادی اور حکمرانی کو برقرار رکھنے کی خاطر جنگ کرتے ہیں حالانکہ اگر وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق صرف اللہ تعالیٰ کے دین کو بلند کرنے کے لئے جنگ کریں تو ملک وقوم ووطن کی آزادی سربلندی اور تمام دنیوی مفادات آپ سے حاصل ہوجائیں اور دین ودنیا دونوں کی کامرانیاں اور سرخروئی نصیب ہو۔ یاد رکھو اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلندی کے لئے جہاد کرنے والے کو ''مجاہدین اسلام'' کے بجائے ''مجاہدین قوم'' یا ''مجاہدین وطن'' کہنا بھی کھلی ہوئی جہالت اور ان مجاہدین کی سخت توہین ہے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو جہالت سے بچائے۔

حدیث کا ماخذ

یہ حدیث آیت کریمہ **وکلمۃ اللہ ھی العلیا (توبہ)** سے ماخذ مقتبس ہے۔

کسی جرم اور گناہ کے درپے ہونے کی سزا

وعن ابی بکرۃ نفیع بن الحارث الثقفی رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: " اذا التقی المسلمان بسیفیھما فالقاتل والمقتول فی النار. (بخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جب دو مسلمان تلواریں سونت کر ایک دوسرے کے مقابلہ پر آ جائیں (اور لڑنے لگیں) تو (اس لڑائی میں) قتل کرنے والا (قاتل) اور قتل ہونے والا (مقتول) دونوں جہنمی ہیں'' صحابہ نے عرض کیا: قاتل بیشک جہنمی ہے (کہ اس نے ایک کلمہ گو مومن کو قتل کیا) مگر مقتول کا کیا قصور ہے (وہ جہنمی کیوں ہے وہ تو شہید ہونا چاہئے)؟ آپ نے فرمایا: وہ بھی تو اپنے مدمقابل (مسلمان) کو قتل کرنے کے درپے تھا (اتفاق ہے کہ اس کا وار خالی گیا اور کارگر نہ ہوا اور خود قتل ہو گیا)

اعمال وافعال میں نیت کا دخل

دیکھئے انسان کی نیت اس کے اعمال وافعال میں کس قدر موثر اور کارفرما ہے کہ ''مقتول مسلمان'' نے حالانکہ مسلمان کو قتل نہیں کیا مگر پھر بھی جہنمی ہوا صرف اس لئے کہ وہ ایک مسلمان کے قتل کرنے کے درپے تھا اگر اس کا وار خالی نہ جاتا تو وہ یقیناً اس کو قتل کر دیتا اسی بناء پر جہنمی ہوا۔

سزا میں فرق

مقتول قاتل کی طرح جہنمی تو ضرور ہوگا مگر دونوں کے جرم اور سزا میں فرق ہے قاتل ایک مسلمان کو عمداً قتل کرنے کا مرتکب ہوا ہے اس کی سزا ہے **مخلد فی النار** ہونا (زمانہ دراز تک جہنم میں جلنا) ہے مقتول کا جرم ہے ایک مسلمان کو قتل کرنے کے درپے ہونا جو مستقل گناہ ہے خواہ قتل کر پائے یا نہ کر پائے اس کی سزا بھی جہنم ہے مگر مخلد نہ ہوگا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جماعت کے ساتھ (مسجد میں) انسان کی نماز گھر یا بازار میں نماز (پڑھنے) کے مقابلہ پر چند اور بیس (پچیس یا ستائیس) درجہ افضل ہے اور یہ اس لئے کہ جب ایک شخص (مسجد میں نماز باجماعت ادا کرنے کی نیت سے) وضو کرتا ہے پھر مسجد آتا ہے اس طرح کہ بجز نماز ادا کرنے کے اور کوئی غرض اس کے اٹھنے اور چلنے کا سبب نہیں ہوتی تو (اس اخلاص اور نیت کے ساتھ) جو بھی قدم وہ زمین پر رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے عوض اس کا ایک درجہ بلند کر دیتے ہیں اور ایک خطا معاف فرما دیتے ہیں یہاں تک کہ وہ مسجد میں داخل ہوتا ہے تو جب سے وہ مسجد میں داخل ہوا اسی وقت سے نماز میں (شمار) ہوتا ہے جب تک کہ نماز کی وجہ سے مسجد میں ٹھہرتا ہے اور (یاد رکھو) جب تک تم میں سے کوئی شخص مسجد میں نماز کی جگہ بیٹھا (اللہ اللہ ذکر اللہ یا اور کوئی عبادت کرتا رہتا ہے فرشتے برابر اس کے لئے دعائے رحمت کرتے رہتے ہیں اور کہتے رہتے ہیں ''الٰہی! تو اس (نمازی) پر رحمت فرما الٰہی! تو اس کی بخشش کر دے الٰہی تو اس کی توبہ قبول فرما'' جب تک کہ وہ (اہل مسجد کو) ایذا نہ پہنچائے یعنی وضو نہ توڑے۔

نیت کے برکات وثمرات

یہ حدیث پاک نیت کے عظیم ترین ثمرات وبرکات کو ثابت کرتی ہے ظاہر ہے کہ اگر بغیر نیت اور قصد ثواب کے کوئی شخص گھر سے وضو کر کے مسجد میں آ جائے تو یہ خطاؤں کا کفارہ نہیں ہو سکتا اسی طرح اگر کسی بھی دوسری غرض سے گھنٹوں

مسجد میں رہے مگر قصداً اجر وثواب نہ ہو تو وہ فرشتوں کی مفید ترین اور معصوم دعاؤں کا مستحق نہیں ہوسکتا۔

نیت نیک اور نیت بد کا فرق

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پروردگار بزرگ و برتر سے روایت کرتے ہیں کہ: بے شک اللہ تعالیٰ نے تمام نیکیاں (نیک کام) اور تمام بدیاں (برے کام) سب لکھ دیئے (اور مقرر فرما دیئے) ہیں پھر ان کو (نبیوں اور آسمانی کتابوں کے ذریعہ) بیان بھی فرما دیا ہے (کہ یہ نیکیاں ہیں اور یہ بدیاں ہیں) اب جو شخص کسی نیکی (نیک کام کرنے) کا ارادہ کرتا ہے مگر (اپنی کسی مجبوری کی وجہ سے) اس پر عمل نہیں کر پاتا تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے (اس کے نامۂ اعمال میں) کامل ایک نیکی (ثواب پھر بھی) لکھ دیتے ہیں اور اگر ارادہ بھی کیا اور اس پر عمل بھی کر لیا تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے (کم از کم) دس گنا نیکیوں کا (اور زیادہ سے زیادہ) سات سو گنا نیکیوں تک کا اور اس سے بھی زیادہ چند در چند (یعنی بے شمار نیکیوں کا ثواب) لکھ دیتے ہیں اور اگر کسی بدی (برے کام) کا ارادہ کرتا ہے مگر (خدا کے خوف سے) اس پر عمل نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ اپنے ہاں (اس برے کام کے نہ کرنے پر) ایک نیکی (کا ثواب) اس کے لئے لکھ دیتے ہیں اور اگر بدی کا ارادہ کرتا ہے اور اس پر عمل بھی کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ (اس کے نامۂ اعمال میں ایک ہی بدی لکھتے ہیں (زیادہ نہیں لکھتے)

اچھی نیت خود ایک نیکی ہے

اجر وثواب کی نیت سے کسی نیک کام کا قصد وارادہ بھی قلب کا ایک فعل ہے اور ہر فعل وعمل خیر اللہ کے وعدہ کے بموجب اجر وثواب کا باعث ہے اس لئے ہاتھ پاؤں سے عمل نہ کرنے کے باوجود بھی اس فعل قلب پر ثواب ملتا ہے اور اگر اس پر عمل بھی کر لیا جائے تو چونکہ اسی عمل میں بدن کے اور اعضاء وجوارح بھی شریک ہوتے ہیں اس لئے وہ ایک عمل ان کی نسبت سے متعدد اعمال خیر کی صورت اختیار کر لیتا ہے اس کی تفصیل اللہ ہی جانتا ہے کہ اس نے ہر نیکی کے عمل کا ثواب کم از کم دس گنا اور زیادہ سے زیادہ سات سو گنا اور اس سے بھی زیادہ بے حد وحساب کس مصلحت سے رکھا ہے۔ علماء محققین کی رائے ہے کہ تکثیر وتضعیف اجر وثواب (ثواب کے چند در چند اور زیادہ کرنے) کا مدار خلوص اور توجہ الی اللہ کے مراتب ودرجات پر ہے جس قدر بلند درجہ کا خلوص ہوگا اسی قدر ثواب زیادہ ہوگا لہٰذا استحضار نیت اور اخلاص کے درجات کی بلندی ہی برکات وثمرات کا باعث ہوئی اسی لئے امام نووی اس حدیث کو اس باب میں لائے ہیں اسی طرح کسی برے کام کا قصد وارادہ کرنے کے باوجود محض خدا کے خوف سے اس کام کو نہ کرنا بھی قلب کا فعل ہے اس لئے اس پر بھی ایک نیکی کا ثواب ملنا چاہئے۔

دُعا کیجئے

یا اللہ! مجبوراً معاشرہ کے غلبہ سے اور نفس وشیطان کے غلبہ سے ہم سے جو فسق وفجور کے کام ہوئے ہیں ہم ان سے نفرت کرتے ہیں اور چھوڑ دینے کا عزم کرتے ہیں۔ مگر ڈرتے ہیں کہ پھر ہم سے ان کا ارتکاب ہو جائے گا۔ یا اللہ آپ ہی محافظ حقیقی ہیں۔ رحم کرنے والے ہیں ہم پر رحم فرمائیے، ہمیں محفوظ رکھئے اور اپنا مورد رحمت بنا لیجئے۔

اخلاص اور نیک نیتی کے کرشمے اور اعمال صالحہ کے فائدے

وعن ابی عبدالرحمٰن عبداللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: انطلق ثلا ثۃ نفرٌ ممن کان قبلکم حتیٰ آواھم المبیت الیٰ غارٍ فدخلوہ ....(بخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ: میں نے مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سنا آپ فرمارہے تھے: تم سے پہلے کسی امت کے تین آدمی سفر کو روانہ ہوئے (راستہ میں) رات گزارنے کے لئے ان کو ایک غار ملا وہ اسی کے اندر داخل ہو (کرسو) گئے تو (اتفاق سے) پہاڑ کی ایک چٹان پھسلی اور غار (کے منہ پر آ گئی اور باہر نکلنے کا راستہ بالکل) بند کر دیا (صبح کو بیدار ہو کر جب انہوں نے اس خوفناک مصیبت کو دیکھا) تو انہوں نے (آپس میں) کہا: اس چٹان (کی آفت) سے تم کو بجز اس کے اور کوئی چیز نجات نہیں دے سکتی کہ تم (سب اپنی اپنی زندگی کے سب سے زیادہ اچھے اور) نیک عمل کا واسطہ دے کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرو (وہی اس کو ہٹا سکتا ہے) تو ان میں سے ایک (مسافر) نے کہا: اے اللہ (تو جانتا ہے کہ) میرے بہت بوڑھے عمر رسیدہ ماں باپ تھے اور میں (روزانہ) ان سے پہلے اپنے کسی بھی بیوی بچے لونڈی غلام کو شام کا دودھ پینے کے لئے نہیں دیا کرتا تھا (پہلے ان کو پلاتا پھر اوروں کو) اتفاق سے ایک دن میں چارہ کی تلاش میں (ریوڑ کو ساتھ لئے) بہت دور نکل گیا اور اتنی رات گئے (گھر) واپس آیا کہ وہ (انتظار دیکھتے دیکھتے بھوکے) سو گئے میں (حسب عادت فوراً) ان کے لئے (بکریوں) کا دودھ نکال کر لایا تو ان کو (گہری نیند میں) سوتا ہوا پایا تو میں نے (ان کے آرام کے خیال سے) نہ ان کو جگانا پسند کیا اور نہ ان سے پہلے بیوی بچوں وغیرہ کو دودھ پلانا گوارا کیا اور رات بھر ان کے سرہانے دودھ کا پیالہ ہاتھ میں لئے کھڑا رہا اور ان کے جاگنے کا انتظار کرتا رہا یہاں تک کہ صبح ہو گئی اور بچے رات بھر میرے قدموں میں پڑے بھوک سے بلکتے رہے بہرحال جب وہ بیدار ہو گئے اور انہوں نے اپنے حصہ کا دودھ پی لیا (تب ہم سب نے پیا) اے اللہ اگر میں نے ماں باپ کا یہ احترام اور خدمت تیری رضا کے لئے کی ہو تو (میرے اس عمل خیر کے طفیل) تو ہم سب سے اس چٹان کی مصیبت کو جس میں ہم گرفتار ہیں دور کر دے تو (اس دعا کے بعد) وہ چٹان تھوڑی سی ہٹ گئی مگر اس سے وہ نکل نہ سکتے تھے دوسرے (مسافر) نے کہا: اے اللہ (تو جانتا ہے کہ) میرے چچا کی ایک لڑکی تھی جو مجھے سب سے زیادہ محبوب تھی' دوسری روایت میں ہے' مجھے اس لڑکی سے اس سے بھی زیادہ شدید محبت تھی جتنی کسی بھی مرد کو کسی عورت سے ہوتی ہے چنانچہ میں نے (اس کو اپنی ہوس کا شکار بنانے کے لئے) اس پر کافی ڈورے ڈالے مگر اس نے صاف انکار کر دیا یہاں تک کہ (اتفاق سے) وہ (مع اپنے خاندان کے) شدید ترین قحط میں مبتلا ہو گئی تو (فقر وافلاس سے مجبور ہو کر) وہ میرے پاس (مدد مانگنے) آئی تو میں نے اس کو ایک سو بیس دینار (سونے کے سکے) اس شرط پر دینا کئے کہ وہ مجھے (تنہائی میں) اپنے نفس پر قدرت دے دے وہ (مجبوراً اس پر) آمادہ ہو گئی یہاں تک کہ جب میں نے اس پر پورا

قابو پالیا' دوسری روایت میں ہے' جب میں اس کی دونوں ٹانگوں کے درمیان بیٹھ گیا تو اس نے (بڑی عاجزی سے) کہا اے خدا کے بندے! اللہ سے ڈر بغیر ''حق'' کے مہر کو مت توڑ (اس امانت کو ہاتھ مت لگا) (الٰہی! صرف تیرا واسطہ دینے اور خوف کی وجہ سے) میں فوراً ہٹ گیا حالانکہ مجھے اس سے بے انتہا محبت تھی (اور وہ اپنے نفس کو میرے حوالہ کر چکی تھی اور میں جو چاہتا اس کے ساتھ کرسکتا تھا) اور وہ سونے کے سکے بھی جو میں نے اس کو دیئے تھے اسی کے پاس چھوڑ دیئے خدایا اگر میں نے یہ نیک کام صرف تیری رضا کے لئے کیا ہو تو اس مصیبت کو جس میں ہم سب گرفتار ہیں دور کردے تو (اس دعا کے بعد) چٹان اور تھوڑی سی ہٹ گئی مگر پھر بھی وہ غار میں سے نہیں نکل سکتے تھے تو تیسرے (مسافر) نے کہا: اے اللہ تو جانتا ہے کہ میں نے (ایک مرتبہ) چند مزدوروں سے اجرت پر کام کرایا تھا اور (کام ختم ہو جانے کے بعد) میں نے ان سب کی مزدوری بھی دے دی تھی بجز ایک مزدور کے کہ اس نے (کسی وجہ سے) اپنی مزدوری نہ لی اور چلا گیا تو میں نے اس کی مزدوری کی رقم کو کاروبار میں لگا دیا یہاں تک کہ وہ رقم (بڑھتے بڑھتے) بہت زیادہ مال بن گئی تب (ایک دن) وہ مزدور آیا اور اس نے کہا: اے اللہ کے بندے! میری مزدوری تو دے دے میں نے کہا: یہ اونٹ گائیں بکریاں اور لونڈی غلام سب تیری مزدوری (کی پیداوار) ہیں (آؤ اور شوق سے لے جاؤ) تو اس مزدور نے کہا: اللہ کے بندے میرے ساتھ دل لگی نہ کر (مجھے بیوقوف مت بنا) میں نے کہا: میں تمہارے ساتھ مطلق دل لگی نہیں کررہا (درحقیقت یہ تمام مویشی اور لونڈی غلام تمہاری مزدوری کی پیداوار ہیں اور تمہارے ہیں تم شوق سے لے جاؤ) تو اس نے وہ سب مویشی اور لونڈی غلام مجھ سے لے لئے اور سب کو ہنکا کر لے گیا اور کچھ نہیں چھوڑا اے اللہ اگر یہ کار خیر میں نے صرف تیرے لئے کیا ہے تو (اس کے طفیل) تو اس مصیبت کو جس میں ہم گرفتار ہیں ہم سے دور کردے چنانچہ چٹان غار کے منہ سے بالکل ہٹ گئی اور وہ (اطمینان سے) چل کر باہر نکل آئے۔

تشریح! اعمال صالحہ کا وسیلہ

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اخلاص اور نیک نیتی سے کئے ہوئے اعمال صالحہ انسان کو کیسی کیسی آفتوں اور مصیبتوں سے بچاتے اور نجات دلاتے ہیں نیز یہ کہ ایسے اعمال صالحہ کے ''وسیلہ'' سے مانگی ہوئی دعا اللہ تعالیٰ ضرور قبول فرماتے ہیں علماء نے اسی حدیث کی بناء پر ایسے اعمال صالحہ کو دعا کا ''وسیلہ'' بنانے کو آداب دعا میں شمار کیا ہے۔

ان اعمال صالحہ کا تجزیہ اور اہمیت

اس قصہ میں تین اعمال صالحہ کا ذکر آیا ہے (۱) پہلے مسافر کے واقعہ میں ''خدمت والدین'' کا اعلیٰ ترین معیار پیش کیا گیا ہے کہ ایسی ہونی چاہئے ماں باپ کی خدمت کسی نہ کسی درجہ میں سب ہی کرتے ہیں مگر اس درجہ کی ماں باپ کی خدمت واقعی مشکل کام ہے اور پھر ہو بھی محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے ''حقوق العباد'' بندوں کے حقوق میں سب سے مقدم اور اہم حق ماں باپ کا ہے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کے بعد دوسرا فرض بروالدین (ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک) قرار دیا ہے یہاں تک کہ ماں باپ کو شرعاً اس کی بھی اجازت ہے کہ وہ اولاد سے دریافت کئے بغیر اپنی ضروریات اس کے مال میں سے پوری کرسکتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

اولاد کو مخاطب کر کے فرمایا ہے: تم اور تمہارا مال تمہارے باپ کا ہے'' اور ماں باپ کی جھجک کو دور کرنے کے لئے ارشاد ہے ''تمہاری اولاد بھی تو تمہاری کمائی ہے'' (۲) دوسرے مسافر کے واقعہ میں ''عفت'' اور پاک دامنی کا بلند ترین معیار پیش کیا گیا ہے درحقیقت صحیح معنی میں ''عفت'' وہی ہے جہاں گناہ کے تمام ذرائع اور وسائل موجود ہوں اور کوئی مانع' بلکہ ذرا سی بھی رکاوٹ نہ ہو اس کے باوجود اتق اللہ (اللہ سے ڈر) سنتے ہی اور خدا کے خوف کا نام آتے ہی عین موقع پر گناہ سے باز آجائے' پاک دامن لوگ بکثرت ہوتے ہیں مگر عموماً ان کی پاکدامنی کا باعث مواقع کا میسر نہ آنا یا نتائج بد کا خوف ہوتا ہے حقیقی پاکدامنی وہی ہے جس میں مواقع بھی میسر ہوں اور نتائج بد کا اندیشہ بھی نہ ہو اور پھر انسان محض خدا کے خوف کی وجہ سے عین گناہ کے موقع سے ہٹ جائے بڑی بہادری کا کام ہے اور کردار کی بہت بڑی بلندی کا ثبوت ہے (۲) تیسرے مسافر کے واقعہ میں انسانی ''ہمدردی'' وخیر خواہی اور ''امانت ودیانت'' کی بلند ترین مثال پیش کی گئی ہے یہ شخص بلا تکلف اس مزدور کی طے شدہ مزدوری دے کر تمام مال بچا سکتا تھا اس لئے کہ شرعاً اور قانوناً وہ اسی مزدوری کا حقدار تھا جو طے ہوئی تھی اور یہی اس کا مطالبہ بھی تھا مگر اس شخص نے اس کی مزدوری کی رقم کاروبار میں لگا کر اصل رقم اور اس کا پورا پورا تجارتی منافع اس کو دے کر امانت ودیانت کا بھی اعلیٰ ترین ثبوت دیا اور ہمدردی وخیر خواہی کی بھی قابل تقلید مثال قائم کی اور صرف اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی دوسری غرض مطلق نہیں بڑا مشکل کام ہے۔

اس واقعہ کے بیان فرمانے کا مقصد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد بھی اس قصہ کو سنانے سے اپنی امت کو بطور مثال ''اعمال صالحہ'' کے بلند ترین معیار اور اعلیٰ ترین مثال سے آگاہ فرمانا اور ایسے ہی اعلیٰ اعمال صالحہ اور بلند ترین کردار کی ترغیب دینا ہے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اس حدیث کی روشنی میں اپنے اعمال واخلاق کا جائزہ لے اور محاسبہ کرے اور تمام خامیوں اور کوتاہیوں کا ازالہ کر کے اللہ تعالیٰ کی رضا اور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی حاصل کرے وباللہ التوفیق۔

دُعا کیجئے

یا اللہ! ہم سے زیادہ محتاج اور کون ہے' ہم آپ کے فضل وکرم کے بہت محتاج ہیں' ہمیں اپنا فرمانبردار بنا لیجئے' اپنے نبی الرحمۃ صلی اللہ علیہ وسلم کا وفادار' سچا اُمتی بنا دیجئے'

یا اللہ! تمام لعنت زدہ کاموں سے ہمیں بچا لیجئے کہ ہم جن سے آپ ناراض ہوتے ہیں۔ یا اللہ ہم آپ کے مواخذہ کو برداشت نہیں کر سکتے نہ دنیا میں نہ آخرت میں۔

یا اللہ! ان احادیث میں ہم نے جو اسلامی آداب واحکام سیکھے ہیں ان پر دل وجان سے عمل کر کے اپنی رضا والی زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائیے۔

توبہ اور استغفار کی کثرت

وعن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنه قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یقول: واللہ انی لاستغفر اللہ واتوب الیه فی الیوم اکثر من سبعین مرۃ'' رواہ البخاری

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میں دن میں ستر مرتبہ سے بھی زیادہ اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتا ہوں اور اس کے سامنے توبہ کرتا ہوں۔

گناہ اور توبہ کی قسمیں اور شرطیں

علماء دین نے فرمایا ہے: ہر گناہ سے توبہ فرض ہے گناہ کی دو قسمیں ہیں اسی لحاظ سے توبہ کی بھی دو قسمیں ہیں۔

(۱) اگر وہ گناہ جس سے توبہ کرتا ہے کوئی ایسی نافرمانی (معصیت) ہے جس کا تعلق کسی بندہ کے حق سے بالکل نہ ہو بلکہ صرف اللہ تعالیٰ سے اس گناہ کا تعلق ہو تو اس گناہ سے توبہ کے صحیح اور معتبر ہونے کی تین شرطیں ہیں۔

اول یہ کہ اس گناہ اور نافرمانی سے کلی طور پر باز آ جائے یعنی بالکل چھوڑ دے۔

دوسرے یہ کہ اس گناہ پر دل سے نادم اور شرمندہ ہو۔

تیسرے یہ کہ دوبارہ اس گناہ کو نہ کرنے کا پختہ ارادہ اور عزم ہو۔ ان تینوں شرطوں میں سے اگر ایک شرط بھی نہ پائی جائے گی تو توبہ صحیح نہ ہوگی۔

توبہ کے لفظی اور شرعی معنی

توبہ کے لفظی معنی ہیں ''لوٹنا'' اسی اعتبار سے شریعت کی اصطلاح میں توبہ کرنے کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی (معصیت) سے فرمانبرداری (طاعت) کی طرف لوٹنا اسی لئے توبہ کی شرط یہ ہے کہ جو گناہ اور نافرمانیاں کر رہا ہوا نہیں فوراً اور قطعاً چھوڑ دے اور دوبارہ ان کے نہ کرنے کا عزم اور عہد کر لے اس لئے کہ اگر اس گناہ کو نہیں چھوڑتا تو گناہ اور نافرمانی سے لوٹنا نہ پایا جائے گا اور اگر اس گناہ کو آئندہ نہ کرنے کا عزم اور عہد نہیں کرتا تو فرمانبرداری (طاعت) کی طرف لوٹنا نہ پایا جائے گا اور دونوں صورتوں میں توبہ درحقیقت توبہ نہ ہوگی۔

حقوق العباد سے متعلق گناہ

ہر گناہ کرنا اللہ کی نافرمانی اور معصیت ہے اگر اس کے ساتھ ہی ساتھ اس میں کسی انسان کی حق تلفی بھی ہو تو وہ گناہ حقوق العباد سے متعلق ہوگا اور بندوں کے تلف شدہ حق کو ادا کرنا یا ان سے معاف کرانا بھی توبہ کے صحیح ہونے کے لئے ضروری ہوگا مثلاً اگر نماز نہیں پڑھی تو یہ صرف اللہ تعالیٰ کا گناہ ہے مذکورہ بالا تینوں شرطوں کے ساتھ توبہ کر لینا اس گناہ کے معاف ہونے کے لئے کافی ہے اور اگر کسی کا مال دھوکا دے کر لے لیا تو یہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی بھی ہے اور بندوں کی حق تلفی بھی' اس لئے صرف اللہ تعالیٰ سے توبہ کر لینا اس گناہ کے معاف ہونے کے لئے کافی نہ ہوگا بلکہ اس شخص کا حق ادا کرنا یا اس سے معاف کرانا بھی ضروری ہوگا لہٰذا ایسے گناہوں سے توبہ کرنا جو حقوق العباد سے متعلق ہوں بہت زیادہ ضروری ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی شان بے نیازی اور عفو و رحمت سے کچھ بعید نہیں کہ وہ بغیر توبہ کے بھی اپنے حق سے متعلق گناہ بخش دیں مگر کسی بندہ کا حق اگر ادا نہ کیا یا اس سے دنیا میں معاف نہ کرایا تو آخرت میں اس کے معاف ہونے کا کوئی امکان نہیں اس لئے

کہ لینا دینا معاف کرنا کرانا اسی دنیا میں ہوسکتا ہے کہ یہ دار عمل ہے اور آخرت تو دار جزا ہے نہ وہاں کوئی کسی کو کچھ دے لے سکتا ہے اور نہ معاف ہی کر، کرا سکتا ہے علاوہ ازیں اگر اللہ تعالیٰ از خود ایسے گناہ معاف فرما دیں تو یہ ان لوگوں کے ساتھ ناانصافی ہوگی جن کے حقوق ہیں اور اللہ تعالیٰ کسی کے ساتھ ناانصافی ہرگز نہیں کر سکتے رہے خود وہ لوگ تو دنیا میں تو وہ ضرورت مند ہونے کے باوجود معاف بھی کر سکتے تھے اس لئے کہ دنیا دار عمل ہے لیکن آخرت تو دار جزا ہے وہاں تو ہر انسان محتاج ہی محتاج ہوگا اس لئے وہ اپنے حقوق کے عوض میں حق تلفی کرنے والے کی نیکیاں ہرگز نہ چھوڑے گا یا ان کے عوض میں اپنی بدکرداریوں کا بوجھ حق تلفی کرنے والے پر ڈالنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑے گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت

جس شخص کے ذمہ اپنے مسلمان بھائی کا مال یا آبرو سے متعلق کوئی حق ہو اسے آج ہی سبکدوشی حاصل کر لینی چاہئے (ادا کر کے یا معاف کرا کے) اس سے پہلے کہ وہ وقت (حساب آخرت اور جزا و سزا کا) آئے جبکہ اس کے پاس نہ دینار (سونے کا سکہ) ہوگا نہ درہم (چاندی کا سکہ) تو اگر اس کے پاس نیک عمل ہونگے تو (مظلوم کی) حق تلفی کے بقدر اس (ظالم) سے لے لئے جائیں گے (اور مظلوم کو دے دیئے جائیں گے) اور اگر ان نیکیوں سے (مظلوم) کا حق پورا نہ ہوا تو مظلوم کی برائیاں اس (حق تلفی کرنے والے ظالم) پر ڈال دی جائیں گی۔

اعاذنا اللہ منہ خدا ہمیں بچائے اس حق تلفی سے۔

اس لئے حقوق العباد سے متعلق گناہوں سے توبہ کرنا اور ان کے حقوق ادا کرنا یا معاف کرانا ازبس ضروری اور لابدی ہے۔

دوسری قسم:......اور اگر وہ گناہ جس سے توبہ کرتا ہے کوئی ایسی نافرمانی ہو جس کا تعلق کسی انسان کی حق تلفی سے بھی ہو تو اس گناہ سے توبہ کے صحیح ہونے کی چار شرطیں ہیں تین تو وہی ہیں جن کا ذکر اوپر آیا ہے اور چوتھی شرط یہ ہے کہ اس شخص کے حق سے سبکدوشی ضرور حاصل کر لے اور اگر وہ حق مال وغیرہ کی قسم سے ہو یعنی کسی کا مال مار لیا ہو تو اس کو واپس کرے یعنی ادا کر دے اور اگر ''حد قذف'' (ہتک عزت کی شرعی سزا) وغیرہ کی قسم سے ہو تو (اس جرم کا اقرار کر کے اپنے آپ کو سزا کیلئے (عدالت میں پیش کر دے یا اس شخص سے مل کر معاف کرا لے اور اگر غیبت (پس پشت بدگوئی وغیرہ کی قسم سے ہو تو اس سے صفائی کر لے یعنی اس پر ظاہر کر کے معافی چاہ لے۔

توبہ کا حکم:......تمام گناہوں اور نافرمانیوں سے توبہ کرنا واجب ہے (خواہ کسی بھی قسم کے گناہ ہوں) اگر کسی خاص گناہ سے توبہ کر لے (باقی اور گناہوں سے توبہ نہ کرے) تو اہل حق کا مذہب یہ ہے کہ تب بھی اس گناہ سے توبہ صحیح ہو جائے گی اور باقی گناہ اس کے ذمہ رہیں گے۔

دُعا کیجئے

یا اللہ! موجودہ دور میں ہمیں دین اسلام پر مضبوطی سے کاربند فرما اور غیر اسلامی تہذیب کے اثرات سے ہمیں اور ہماری نسلوں کی حفاظت فرما۔ آمین

یا اللہ! ہمیں اپنی اتنی محبت عطا فرما کہ آپ کے احکامات اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک سنتوں پر چلنا ہمارے لئے نہایت سہل ہو جائے۔

توبہ' مغفرۃ اور عفو کے شرعی معنی اور ان میں فرق

وعن ابی هريرة رضی الله عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: والله انی لاستغفر الله واتوب اليه في اليوم اكثر من سبعين مرةً'' (رواه البخاری)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میں دن میں ستر مرتبہ سے بھی زیادہ اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتا ہوں اور اس کے سامنے توبہ کرتا ہوں۔

جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں توبہ کے لغوی اور لفظی معنی ہیں ''لوٹنا'' اس لفظ کا استعمال قرآن وحدیث میں دو طرح ہوا ہے(۱) ایک یہ کہ اس توبہ' لوٹنے' کی نسبت بندہ کی طرف ہو یعنی لوٹنے والا بندہ ہو اس صورت میں بندہ کے توبہ کرنے کے معنی ہیں ''خدا کی نافرمانی سے فرمانبرداری کی طرف لوٹنا'' اسی کو اردو محاورہ میں ''توبہ کرنا'' کہتے ہیں عربی میں اس کے لئے فعل استعمال ہوتا ہے تاب الیہ' اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹا' یعنی اللہ تعالیٰ کے سامنے توبہ کی (۲) دوسرا استعمال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نافرمان بندوں کی نافرمانی سے ناراض ہو جاتے ہیں یعنی اپنی رحمت خاصہ سے ان کو محروم کر دیتے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ کی طرف جب توبہ کی نسبت کی جائے یعنی لوٹنے والے اللہ ہوں تو توبہ' لوٹنے' کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ناراضگی سے رضا مندی کی طرف لوٹے'' یعنی'' مہربان ہو گئے'' چونکہ اللہ تعالیٰ کے ناراض ہو کر پھر رضامند ہو جانے میں اللہ تعالیٰ کی رحمت عظمیٰ کارفرما ہوتی ہے جس کے متعلق ''حدیث قدسی'' میں ارشاد ہے سبقت رحمتی علی غضبی میرے غصہ پر میری رحمت غالب ہے۔ اس لئے اس توبہ' لوٹنے میں رحمت کے معنی شامل ہوتے ہیں اس لئے عربی میں اس دوسرے استعمال کے تحت فعل اس طرح استعمال ہوتا ہے تاب الله عليه اس کا اردو میں ترجمہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اس پر مہربان ہو گیا یا اس نے معاف کر دیا چونکہ بندہ کو توبہ کرنے کی توفیق دینا بھی اس کی رحمت ہی کا تقاضہ ہے اس لئے تاب الله عليه کا حاصل ترجمہ ''اللہ تعالیٰ نے بندے کو توبہ کی توفیق دے دی'' یہی صحیح ہے اور چونکہ بندے کی توبہ یعنی آئندہ نافرمانی کی طرف نہ لوٹنے کا عہد' قبول کر لینا بھی اس کی رحمت ہی کا تقاضہ ہے اس لئے تاب الله عليه کا یہ ترجمہ بھی صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندے کی توبہ قبول کر لی یا معاف کر دیا مختصر لفظوں میں یوں سمجھئے (۱) کہ جب توبہ کی نسبت حضرت حق تعالیٰ کی طرف ہو گی تو تاب الله عليه کے معنی ہوں گے اللہ تعالیٰ بندے پر مہربان ہو گیا یا معاف کر دیا اگر گناہ سے توبہ کرنے کے بعد کی حالت ہو تو معنی ہوں گے ''اللہ تعالیٰ نے بندے کی توبہ قبول کر لی'' اور اگر گناہ سے توبہ کرنے سے پہلے کی حالت ہو تو معنی ہونگے ''اللہ تعالیٰ نے بندے کو توبہ کی توفیق دے دی'' پہلا ترجمہ ''مہربان ہو گیا'' یا ''معاف کر دیا'' دونوں حالتوں میں صحیح ہے (۲) اور جب توبہ کی نسبت بندے کی طرف ہو گی تو تاب الی الله کے بامحاورہ معنی یہ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے توبہ کی یعنی گذشتہ گناہ ترک کر کے آئندہ گناہ نہ کرنے کا عہد کیا اس باب میں قرآن عظیم کی آیات اور احادیث کے ترجمہ میں یہ فرق پیش نظر رکھنا ضروری ہے اس فرق کو مزید ذہن نشین کرنے کی غرض سے ''غزوہ تبوک'' سے متعلق سورۃ براءت کی دو آیتیں نقل کی جاتی ہیں ارشاد ہے۔

(۱) بیشک اللہ تعالیٰ مہربان ہوا اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اور مہاجرین وانصار پر جنہوں نے تنگدستی کے (کٹھن) وقت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی (شرکت جہاد میں) پیروی کی اس کے بعد کہ قریب تھا کہ ان میں سے ایک گروہ کے دل بھٹک جائیں (اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد میں نہ جائیں) پھر اللہ تعالیٰ ان پر (بھی) مہربان ہوگیا (اور ان کی توبہ قبول کرلی) بیشک اللہ تعالیٰ بڑا ہی مہربان رحم کرنے والا ہے ان پر۔

(۲) پھر ان (تینوں شرکت جہاد سے گریز کرنے والوں) پر مہربان ہوگیا (توبہ کی توفیق دے دی) تاکہ وہ توبہ کرلیں۔

دیکھئے ان دونوں آیتوں میں **تاب اللہ** کا لفظ تین قسم کے لوگوں کیلئے دوسرے استعمال کے تحت (جب اللہ کی طرف نسبت ہو) آیا ہے۔ (۱) **تاب اللہ علی النبی الآیہ** اس کے معنی محض ''مہربان ہونا'' ہے اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور عام مہاجرین وانصار سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہوا تھا (۲) **ثم تاب علیھم** اس کے معنی ہیں توبہ قبول کرلی اس لئے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے پہلوتہی کا ارادہ کیا تھا مگر اس ارادہ سے باز آگئے یعنی توبہ کرلی اور اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کرلی (۳) دوسری آیت میں **ثم تاب علیھم** کے معنی ہیں توبہ کرنے کی توفیق دے دی اس لئے کہ یہ وہ تین آدمی ہیں جو اس جہاد میں شریک نہیں ہوئے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے ان کو سچ بولنے کی وجہ سے توبہ کی توفیق دے دی اسی طرح اسی آیت میں پہلے استعمال کے تحت لیتوبوا آیا ہے جس کے معنی ہیں وہ (گریز کرنے والے) توبہ کرلیں دیکھئے ان دو آیتوں میں ہر دو استعمال کے تحت توبہ کے تمام مذکورہ بالا معنی آگئے۔

مغفرۃ کا لفظ **غفر** سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں ''ڈھانپ لینا'' اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کی مغفرت فرمانے کے معنی ہیں ''ان کے گناہوں کو اپنی رحمت سے ڈھانپ لینا'' چھپا دینا'' یعنی بخش دینا خواہ ان سے توبہ کرنے کے بعد خواہ بغیر توبہ کئے محض اپنی شان کریمی اور بے نیازی کی بناء پر۔

عفو کے لفظی معنی ہیں مٹا دینا اللہ تعالیٰ کے عفو کے معنی ہیں اپنے بندوں کے گناہوں کو اپنی رحمت سے معاف کردینا ان کے نامۂ اعمال سے مٹا دینا خواہ توبہ واستغفار کے بعد خواہ اس کے بغیر ہی محض اپنی صفت ربوبیت اور رحمت کی بنا پر۔

دُعا کیجئے

یا اللہ! موجودہ دور میں ہمیں دین اسلام پر مضبوطی سے کاربند فرما اور غیر اسلامی تہذیب کے اثرات سے ہمیں اور ہماری نسلوں کی حفاظت فرما۔ آمین

یا اللہ! ہمیں اپنی اتنی محبت عطا فرما کہ آپ کے احکامات اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک سنتوں پر چلنا ہمارے لئے نہایت سہل ہوجائے۔

یا اللہ! ہمارے پاس اور کوئی سرمایہ نہیں' کوئی وسیلہ نہیں اقرار جرم کرتے ہیں آپ کے نبی الرحمۃ صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ پیش کرکے آپ کی رحمت کے طلب گار ہیں۔

یا اللہ! اس ماہ کا ایک ایک لمحہ' ایک ایک سانس ہمارے لئے باعث رحمت بنادیجئے۔

توبہ، مغفرۃ اور عفو میں فرق

وعن ابی هريرة رضی الله عنه قال: سمعت رسول الله صلی الله عليه وسلم يقول: والله انی لاستغفر الله واتوب اليه فی اليوم اكثر من سبعين مرةً'' (رواه البخاری)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میں دن میں ستر مرتبہ سے بھی زیادہ اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتا ہوں اور اس کے سامنے توبہ کرتا ہوں۔

بندوں کا اپنے رب رؤف رحیم کے سامنے توبہ کرنا یعنی پچھلے گناہوں کی معافی چاہنا اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا عہد کرنا پہلا مرحلہ ہے اللہ تعالیٰ کا اپنی رحمت کا پردہ ان کے گذشتہ گناہوں پر ڈال دینا اور آئندہ کے لئے عہد کو قبول کر لینا یعنی بخش دینا یہ مغفرت ہے اور دوسرا مرحلہ ہے اللہ تعالیٰ کا مزید رحم و کرم کی بنا پر ان گناہوں کو بالکل معاف کر دینا اور نامہ اعمال میں سے مٹا دینا یہ عفو ہے اور تیسرا مرحلہ ہے اصل معنی کے لحاظ سے ترتیب یہی ہے باقی یہ تینوں لفظ ایک دوسرے کی جگہ بھی استعمال ہوتے ہیں اس لئے ان تینوں کا سرچشمہ رحمت الٰہیہ ہے اتنا فرق ضرور ہے کہ توبہ صرف گذشتہ گناہوں سے ہوتی ہے اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا عہد ہوتا ہے مغفرت اگلے اور پچھلے گذشتہ اور آئندہ تمام گناہوں اور خطاؤں کی ہوسکتی ہے نیز مغفرت کے لئے توبہ کرنا بھی ضروری نہیں اللہ تعالیٰ اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو بشارت دیتے ہیں۔

(یہ فتح مبین اس لئے عطا کی ہے) تا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے پہلے کئے ہوئے اور پچھلے کئے ہوئے گناہ معاف کر دے۔

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم ادعیہ مسنونہ میں اپنی امت کو دعاء مغفرت کی تعلیم دیتے ہیں۔

اللهم اغفرلی ذنوبی جميعاً ما قلمت ومآ اخرت ومآ اعلنت ومآ اسررت ومآ اسرفت ومآ انت اعلم به منی انک انت الغفور الرحيم

اے اللہ تو معاف کر دے میرے سب گناہ جو میں نے پہلے کئے اور جو پیچھے کئے اور جو علانیہ کئے اور جو چھپا کر کئے اور جو میں نے بے اعتدالی کی اور جن گناہوں کو تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے بیشک تو بڑا معاف کرنے والا مہربان ہے۔

آپ بھی ہر وقت چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے یہی مسنون دعاء مغفرت مانگا کیجئے بہت جامع دعاء مغفرت ہے۔

اس آیت کریمہ اور حدیث کی دعا سے معلوم ہوا کہ مغفرت عام ہے اگلے پچھلے سب گناہوں سے ہوسکتی ہے اور توبہ بھی اس کے لئے ضروری نہیں ہے۔

عفو معاف کر دینے کے لئے توبہ کی طرح گناہوں یا خطاؤں کا وجود ضروری ہے لیکن توبہ کرنا ضروری نہیں۔ سورہ شوریٰ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

''اور جو بھی مصیبت تم پر آتی ہے وہ تمہارے ہاتھوں کے کئے اعمال کی وجہ سے آتی ہے اور بہت سی بداعمالیوں کو تو وہ (خود ہی) معاف کر دیتا ہے۔''

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ عفو معاف کرنے کیلئے توبہ ضروری نہیں ہے۔ یہی فرق ان تینوں لفظوں میں آپ مذکورہ بالا آیات اور آنے والی احادیث میں پائیں گے اسی لئے یہ طویل تشریح ضروری سمجھی گئی نیز اس سے توبہ کا مرتبہ اور اہمیت بھی واضح ہوگئی۔

ہر وقت توبہ واستغفار کی ضرورت

وعن الاغر بن یسار المزنی رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم:
"یآیها الناس توبوا الی الله واستغفروه فانی اتوب فی الیوم مائة مرةٍ" رواه مسلم

ترجمہ: حضرت اغر بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے لوگو اللہ تعالیٰ کے آگے توبہ کیا کرو اور مغفرت چاہا کرو (دیکھو) میں (بھی) دن میں سو مرتبہ توبہ کرتا ہوں۔

پہلی حدیث میں ستر اور دوسری حدیث میں سو سے تعداد کا بیان کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ توبہ واستغفار کی کثرت کا بیان کرنا مقصود ہے عربی زبان کے محاورات میں سو اور ستر کا لفظ کثرت کو ظاہر کرنے کے لئے بھی بولا جاتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے استغفار کا مقصد

دوسری حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی توبہ واستغفار کا تذکرہ لوگوں کو اس فرض، توبہ واستغفار کو ادا کرنے کی ترغیب دلانے کیلئے کیا ہے کہ جب میں خود اتنی کثرت سے توبہ واستغفار کرتا ہوں حالانکہ میں نبی معصوم ہوں مجھ سے جان بوجھ کر کوئی گناہ سرزد ہو ہی نہیں سکتا علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے قرآن کریم میں میری تمام اگلی پچھلی کوتاہیوں کو معاف کردینے کا اعلان بھی کر دیا ہے۔ تو تمہیں تو اپنے گناہوں اور نافرمانیوں سے بہت زیادہ ڈرنا چاہئے اور زیادہ سے زیادہ توبہ واستغفار کرتے رہنا چاہئے۔

کثرت سے توبہ واستغفار کی ضرورت

اس لئے کہ انسان اس گناہ آلود دنیوی زندگی میں چاروں طرف سے گناہ اور معصیت کی طرف بلانے اور کھینچنے والی خواہشات میں اور گناہ پر آمادہ کرنے والے اندرونی اور بیرونی محرکات میں گھرا ہوا ہے، اندرونی دشمن تو خود اپنا نفس امارہ ہے جو پہلو میں چھپا ہوا ہر وقت گناہ اور معصیت پر اکساتا رہتا ہے اور بیرونی دشمن وہ شیاطین جن وانس ہیں جو ہر وقت انسان کو گمراہ کرنے اور اس سے گناہ کرانے کی گھات میں لگتے رہتے ہیں اس لئے انسان انتہائی پھونک پھونک کر قدم رکھنے کے باوجود بھی دن بھر میں دانستہ یا نادانستہ طور پر نہ معلوم کتنے گناہ کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ انبیاء ورسل علیہم الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ اور کوئی بھی انسان خواہ بڑے سے بڑا "ولی اللہ" ہی کیوں نہ ہو گناہوں سے معصوم نہیں ہوسکتا اس لئے ہمارے لئے ان گناہوں اور نافرمانیوں کے وبال اور عذاب سے بچنے کی اس کے سوا اور کوئی تدبیر نہیں کہ ہم اپنے دانستہ یا نادانستہ سرزد ہونے والے گناہوں پر زیادہ سے زیادہ توبہ واستغفار کرتے رہا کریں تاکہ جو گناہ سرزد ہوتے رہیں وہ اس توبہ واستغفار سے معاف بھی ہوتے رہیں علاوہ ازیں اس زندگی میں اس قدر گوناگوں اور قسم قسم کے گناہ ہیں کہ ہر وقت ان کو پیش نظر رکھنا اور ان سے بچتے رہنا اس مصروف زندگی میں بیحد دشوار ہے اس لئے بھی عافیت اور سلامتی اسی میں ہے کہ زیادہ سے زیادہ نہ سہی تو کم از کم سو مرتبہ روزانہ ایک وقت میں یا مختلف اوقات میں، توبہ اور استغفار ضرور کرلیا کریں تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کا ثواب بھی میسر آجائے اور گناہ بھی معاف ہوجائیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور توبہ واستغفار

رہا یہ شبہ کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گناہوں سے

بالکل معصوم اور محفوظ ہیں تو آپ سے گناہ سرزد ہو ہی نہیں سکتے پھر توبہ واستغفار کا کیا مطلب؟ اور اللہ تعالیٰ کے آپ کے گناہوں کو معاف کر دینے کا اعلان کرنے کے کیا معنی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک گناہ اور معصیت تو آپ سے سرزد نہیں ہو سکتی لیکن بتقاضاء بشریت منشاء الٰہی کو اعلیٰ مرتبہ پر پورا کرنے میں غفلت یا کوتاہی یا خلاف اولیٰ مگر جائز امور کا ارتکاب ہو سکتا ہے جس پر عام انسانوں سے تو باز پرس نہیں ہوتی مگر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی جلالت شان اور تعلق مع اللہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کی بنا پر ان سے ان غفلتوں کوتاہیوں اور اجتہادی غلطیوں پر بھی باز پرس ہوتی ہے اس لئے ان گناہوں سے یہی غفلتیں کوتاہیاں' خلاف اولیٰ امور' اجتہادی غلطیاں مراد ہیں۔

دوسرا جواب

علاوہ ازیں خود نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی سوال کیا گیا کہ: جب اللہ تعالیٰ نے آپکے تمام اگلے پچھلے گناہ معاف فرما دیئے تو آپ اتنی کثرت سے توبہ واستغفار کیوں کرتے ہیں؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا: کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں یعنی اللہ تعالیٰ کا اپنی شان کریمی سے میری تمام اگلی پچھلی کوتاہیوں اور دانستہ یا نادانستہ خطاؤں کو معاف فرما دینا بہت بڑا انعام واحسان ہے اس کا شکر نعمت اسی طرح ادا ہو سکتا ہے کہ میں اس معاف کر دینے کے باوجود کثرت سے توبہ واستغفار کرتا ہوں یہی میری ''عبدیت'' بندگی کا تقاضا ہے۔ سبحان اللہ۔

عبدیت کا تقاضا

انسان کی بندگی کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ وہ بہر حال خود کو خطا کار اور قصور وار سمجھتا اور توبہ واستغفار کرتا رہے اسی میں اسی کی نجات اور فلاح مضمر ہے جیسا کہ قرآن کریم کی پہلی آیت کریمہ کے آخری جملہ **لعلکم تفلحون** (تا کہ تم فلاح پاجاؤ) سے ظاہر ہے۔

دُعا کیجئے

یا اللہ! ہمیں ہر خطا وعصیان سے محفوظ رکھئے ہر تقصیر وکوتاہی سے محفوظ رکھئے۔

یا اللہ! ہم کو اپنے نبی الرحمۃ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شرمندگی سے بچا لیجئے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش کرنے کے لئے ہم پر اور تمام امت مسلمہ پر رحم فرمایئے۔

یا اللہ! آپ کے محبوب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی اس وقت جہاں جہاں بھی ہیں اور دشمنوں کی زد میں ہیں' سازشوں میں ہیں۔ ان کی حفاظت فرمایئے ان کو ہدایت دیجئے اور ان کو دشمنوں سے آزاد کر دیجئے۔ اعدائے دین کی سازشوں سے ان کو بچا لیجئے۔

یا اللہ! تمام ممالک اسلامیہ میں پھر اسلام کی حیات طیبہ عطا فرما دیجئے۔ ان کی اعانت ونصرت فرمایئے۔

یا اللہ! یہ ملک پاکستان جو اسلام کے نام پر قائم ہوا تھا اس کو گمراہیوں سے بچایئے۔ ہر قسم کے فواحش ومنکرات سے جو رائج الوقت ہو رہے ہیں۔ ان سے محفوظ رکھئے۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کی توبہ سے کتنا خوش ہوتے ہیں

وعن انس بن مالک الانصاری خادم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: " اللہ افرح بتوبۃ عبدہٖ من احدکم سقط علیٰ بعیرہٖ وقد اضلہٗ فی ارض فلاۃٍ" متفق علیہ

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رحمت عالم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک اللہ اپنے بندہ کی توبہ سے (جبکہ وہ اس کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہے) اس سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے جتنی خوشی تم میں سے کسی مسافر کو اپنے اس (سواری کے) اونٹ کے مل جانے سے ہوتی ہے جس پر وہ چٹیل بیابان میں سفر کر رہا ہو اسی پر اس کے کھانے پینے کا سامان بندھا ہو اور (اتفاق سے) وہ اونٹ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر بھاگ جائے اور وہ (اس کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے) مایوس ہو جائے اور اسی مایوسی کے عالم میں (تھکا ہارا بھوکا پیاسا) کسی درخت کے سایہ کے نیچے لیٹ جائے اور اسی حالت میں (اس کی آنکھ لگ جائے اور جب آنکھ کھلے تو) اچانک اس اونٹ کو اپنے پاس کھڑا ہوا پائے اور (جلدی سے) اس کی مہار پکڑ لے اور پھر خوشی کے جوش میں (زبان اس کے قابو میں نہ رہے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کی غرض سے) کہنے لگے: اے اللہ تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں (اور خوشی کے مارے اسے پتہ بھی نہ چلے کہ میں کیا کہہ گیا)

بندہ کی توبہ سے اللہ تعالیٰ کی یہ بے انتہا خوشی بھی اس کی شان ربوبیت اور رافت و رحمت کا تقاضا ہے کہ اس کا ایک بھٹکا ہوا بندہ، جس کو اس نے نہ صرف پیدا کیا تھا بلکہ پیدائش کے وقت سے ہوش سنبھالنے تک اس کی پوری پرورش ہی اس نے کی تھی اپنی نادانی سے ازلی دشمن، نفس امارہ اور شیطان کے فریب میں آ کر اس کی عبادت وطاعت کی راہ سے بھٹک گیا تھا راہ راست پر آ گیا ورنہ تو (العیاذ باللہ) بندہ کی توبہ واستغفار سے اس کی معبودیت کو چار چاند نہیں لگ جاتے اس لئے کہ حدیث قدسی میں آیا ہے کہ: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اگر تمہارے اگلے اور پچھلے، زندہ اور مرے ہوئے، برے اور بھلے تمام انسان بھی میرے سب سے بڑے متقی اور پرہیز گار بندے کے سے دل کے مالک بن جائیں (اور سب مل کر شب وروز میری عبادت کریں) تو اس عبادت سے ایک مچھر کے پر کی برابر بھی میری خدائی میں اضافہ نہ ہوگا اور اگر تمہارے اگلے اور پچھلے، زندہ اور مرے ہوئے، برے اور بھلے تمام انسان میرے ایک نافرمان ترین سرکش بندے کے سے دل کے مالک بن جائیں (اور سب مل کر شب وروز میری نافرمانی کرنے لگیں) تو اس سے ایک مچھر کے پر کی برابر بھی میری خدائی میں کمی نہ ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کی شان

یعنی اللہ تعالیٰ کی شان "الوہیت" و "معبودیت" تمام اولاد آدم کی عبادت وطاعت سے بے نیاز اور بالاتر ہے اسی طرح ان کی نافرمانی وسرکشی سے بھی بے نیاز اور برتر ہے بندوں کی عبادت وطاعت، توبہ واستغفار کا نفع بھی انہی کو پہنچتا ہے اور سرکشی ونافرمانی اور کفر وانکار کی مضرت ونقصان بھی انہی کو پہنچتا ہے خدا سب سے بے نیاز اور غنی مطلق ہے۔

توبہ کا دروازہ کب بند ہوگا

وعن ابی موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: ان اللہ تعالیٰ یبسط یدہٗ باللیل لیتوب مسیء النہار ویبسط یدہٗ بالنہار لیتوب مسیء اللیل حتیٰ تطلع الشمس من مغربہا'' (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بیشک اللہ تعالیٰ رات میں اپنی رحمت کا ہاتھ دراز فرماتے ہیں تا کہ دن میں گناہ کرنے والا گنہگار بندہ رات کو اس پر توبہ کرلے۔ اسی طرح دن میں اپنی شفقت کا ہاتھ دراز فرماتے ہیں تا کہ رات میں گناہ کرنے والا گنہگار بندہ دن میں اس پر توبہ کرلے (یہ بندہ نوازی کا سلسلہ قیامت آنے تک جاری رہے گا اور یہ رحمت کا دروازہ کھلا رہے گا) یہاں تک کہ سورج (مشرق کے بجائے) مغرب سے نکلے (اور قیامت آجائے)۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے سورج کے (مشرق کے بجائے) مغرب سے نکلنے سے پہلے توبہ کرلی اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمالیں گے۔

قبولیت کے اوقات

آفتاب کو مشرق کے بجائے مغرب سے نکلتا ہوا۔

یہ مسلم و مشاہد ہے کہ دنیا کا موجودہ نظام شمسی کے ساتھ وابستہ اور قائم ہے' آفتاب کے مشرق کے بجائے مغرب سے نکلنے سے مراد اس نظام شمسی اور اس کے ساتھ وابستہ نظام عالم اور تمام کائنات کا درہم برہم اور تباہ و برباد ہو جانا اسی کا نام قرآن و حدیث کی اصطلاح میں ''قیامت آنا'' ہے۔ قرآن پر ایمان رکھنے والوں کو اس کے ماننے میں ذرا برابر تردد نہ ہونا چاہئے۔ مترجم

یعنی نظام عالم درہم برہم ہوتا ہوا دیکھ لینے کے بعد اس آباد دنیا کے فنا ہونے اور قیامت آجانے کا یقین اور اقرار کرنے پر ہر متنفس غیر اختیاری طور پر مجبور ہو جائے گا مگر اس وقت قیامت کے برحق ہونے کا یہ یقین اور اقرار کچھ مفید نہ ہوگا اس لئے کہ انسان کے ایمان و اقرار اور اعمال و افعال پر جزا اور سزا اسی وقت مرتب ہوتی ہے جبکہ اس کو ایمان لانے نہ لانے' ماننے نہ ماننے دونوں پر اختیار اور قدرت حاصل ہو اس لئے سورج کے مشرق کے بجائے مغرب سے نکلنے کے وقت کا نہ ایمان معتبر ہے نہ توبہ و استغفار یا کوئی اور نیک کام' لہٰذا توبہ کا دروازہ جو آغاز آفرینش سے کھلا ہوا تھا اس وقت بند ہو جائے گا اور عمل کے بجائے ''مکافات عمل'' کا وقت آجائے گا۔

گنہگار کب تک اپنے گناہ سے توبہ کرسکتا ہے

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: حبیب رب العالمین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: بیشک اللہ بزرگ و برتر اپنے بندہ کی توبہ اس وقت تک بھی قبول فرمالیتے ہیں جب تک کہ وہ نزع کی حالت کو نہ پہنچا ہو۔

نزع کے وقت کی توبہ معتبر نہ ہونے کی وجہ

جس طرح ''عالم کبیر'' (تمام دنیا) کی حالت نزع یعنی آفتاب کے مشرق کے بجائے مغرب سے نکلنے کے وقت کا ایمان اور کوئی بھی عمل خیر' مثلاً توبہ و استغفار معتبر نہیں اسی طرح

ہر انسان، جو ایک ''عالم صغیر'' ہے کی حالت نزع کا ایمان عمل خیر، توبہ واستغفار بھی معتبر نہیں اس لئے کہ نزع کے وقت ہر مرنے والے کا ایمان واقرار قطعاً غیر اختیاری ہوتا ہے اس کا بھی عمل کا وقت ختم اور مکافات عمل کا وقت شروع ہو جاتا ہے لہٰذا اس حالت کی توبہ بے سود ہے۔

توبہ کے متعلق قرآن وحدیث میں تطبیق

اگرچہ قرآن کریم کی آیت کریمہ:

انماالتوبة علی الله للذین یعملون السوء بجهالة ثم یتوبون من قریب فاولئک یتوب الله علیهم (النساء)

اس کے سوا نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ذمہ (وعدہ) توبہ (قبول) کرنے کا انہی لوگوں کیلئے ہے جو نادانی سے کوئی برا کام کر بیٹھتے ہیں پھر جلد ہی توبہ کر لیتے ہیں پس وہی لوگ ہیں جن کی توبہ اللہ تعالیٰ قبول کرتا ہے۔ سے تو متبادر یہ ہے کہ توبہ نادانی سے کئے ہوئے گناہ پر ہونی چاہئے اور گناہ کر لینے کے فوراً بعد توبہ کر لینی چاہئے مگر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مذکورہ بالا حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ دانستہ کئے ہوئے گناہ کی توبہ بھی قبول فرما لیتے ہیں نیز مرنے سے پہلے تک بھی اگر کوئی گنہگار بقائمی ہوش وحواس وقدرت واختیار توبہ کر لے تو اپنی شان کریمی سے اس کی توبہ بھی قبول فرما لیتے ہیں اس لئے کسی بھی گنہگار کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا چاہئے اور جب بھی گناہ آلود زندگی سے ہوش میں آئے فوراً توبہ کر لینی چاہئے توبہ میں تاخیر بہرحال نہ کرنی چاہئے کیا پتہ ہے کب اور کس حالت میں موت آ جائے؟ توبہ کی مہلت ملے یا نہ ملے؟ اس کے علاوہ بھی توبہ میں تاخیر کرنا قہر وغضب الٰہی سے بے پروائی کی دلیل ہے جو بجائے خود اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا موجب ہے بہرحال بندہ کی ''عبدیت'' کا تقاضا یہ ہے کہ اول تو جان بوجھ کر اپنے معبود کی نافرمانی اور گناہ ہرگز نہ کرے اور اگر کوئی گناہ سرزد بھی ہو جائے تو خدا کے قہر وغضب سے ڈرے اور فوراً توبہ کر لے۔

توبہ کا اعلیٰ مرتبہ اور ادنیٰ مرتبہ

بالفاظ دیگر آیت کریمہ میں توبہ کے اعلیٰ مرتبہ کا بیان ہے اور حدیث شریف میں توبہ کے ادنیٰ درجہ کا بیان ہے مذکورہ بالا حدیث کا مطلب توبہ میں ڈھیل دینا ہرگز نہیں ہے بلکہ ساری زندگی گناہوں میں بسر کرنے والے گنہگاروں کو بھی خدا کی رحمت اور قبول توبہ کی بشارت دینا ہے۔

دُعا کیجئے

یااللہ! ہمارے قلوب کی صلاحیتیں درست فرما دیجئے، ایمانوں میں تازگی عطا فرما دیجئے۔ تقاضائے ایمان بیدار فرما دیجئے ہمارے دلوں میں گناہوں سے نفرت پیدا فرما دیجئے، غیرت پیدا فرما دیجئے۔

یااللہ! ہمیں ظاہری وباطنی ہلاکت سے بچا لیجئے اور اپنی مغفرت ورحمت کا مورد بنا دیجئے اور عذاب نار سے بچا لیجئے۔

یااللہ! اپنے محبوب شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہونے کی حیثیت سے حشر میں ہم پر اپنی رحمتیں نازل فرمائیے۔ ہم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کبریٰ نصیب فرمائیے ہمارے ظاہر کو بھی پاک کر دیجئے اور باطن کو بھی پاک کر دیجئے۔

توبہ کے دروازے کی وسعت

وعن زر بن حبیشٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: اتیت صفوان بن عسالٍ رضی اللہ عنہ اسالہٗ عن المسح علی الخفین فقال: ما جآء بک یازر .... (رواہ الترمذی)

حضرت زر بن حبیش فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ کی خدمت میں مسح علی الخفین (چرمی موزوں پر مسح) کے متعلق مسئلہ دریافت کرنے کے لئے گیا تو انہوں نے مجھ سے پوچھا: میاں ررا کہو کیسے آئے؟ میں نے عرض کیا "آپ سے علم حاصل کرنے کی غرض سے آیا ہوں" تو فرمانے لگے: علم حاصل کرنے والے کے قدموں کے نیچے تو فرشتے بھی اس کے طالب علم کے جذبہ سے خوش ہو کر اپنے پر بچھاتے ہیں (چہ جائیکہ انسان' کہو کیا دریافت کرنا چاہتے ہو) میں نے عرض کیا: پاخانے پیشاب سے فارغ ہونے کے بعد وضو میں چرمی موزوں پر مسح کرنے کے بارے میں ایک عرصہ سے خلجان ہے آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں اس لئے میں آپ کے پاس یہ دریافت کرنے آیا ہوں کہ آپ نے اس مسئلہ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ سنا ہے؟ فرمایا: ہاں ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں سفر کی حالت میں تین رات دن تک پیشاب پاخانے یا سو جانے کی وجہ سے وضو میں چرمی موزے نہ اتارنے (اور انہی پر مسح کرنے) کا حکم دیا کرتے تھے بجز جنابت (غسل ناپاکی) کے (کہ ناپاکی کے غسل میں موزے اتارنے ضروری ہیں' مسح کافی نہیں ہے) اس کے بعد میں نے (ایک اور بات پوچھی اور) عرض کیا: آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے (کسی گروہ سے) محبت کرنے کے بارے میں بھی کچھ سنا ہے؟ فرمایا ہاں ایک مرتبہ ہم ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ سفر کر رہے تھے اثناء سفر میں ہم ایک دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر تھے کہ اچانک ایک اعرابی (دیہاتی) نے اپنی کرخت آواز میں آپ کا نام لے کر آپ کو پکارا: او محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو آپ نے بھی اسی کے سے کرخت لہجہ میں جواب دیا: ہاں او دیہاتی کیا ہے؟ اس پر میں نے اس دیہاتی سے کہا: تیرا بھلا ہو ذرا تو اپنی آواز کو پست کر (اور نرم لب ولہجہ میں بات کر) اس لئے کہ تو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہے اور تمہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس طرح بے ادبانہ خطاب کرنے سے منع کیا گیا ہے" تو وہ دیہاتی کہنے لگا بخدا میں تو اپنی آواز پست (اور لہجہ کو نرم) نہیں کروں گا (بہر حال) اس دیہاتی نے دریافت کیا ایک آدمی ایک گروہ سے محبت کرتا ہے مگر (عمل کے اعتبار سے) وہ ان سے میل نہیں کھاتا (اور ان جیسا نہیں ہے اس کا خدا کے ہاں کچھ درجہ ہے یا نہیں؟) رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آدمی جن لوگوں سے محبت کرتا ہے قیامت کے دن انہی کے ساتھ ہوگا" اس کے بعد آپ ہم سے (اس سلسلہ میں) گفتگو فرماتے رہے یہاں تک کہ آپ نے مغرب کی جانب ایک ایسے (عریض وطویل' چوڑے چکلے) دروازہ کا ذکر فرمایا جس کے عرض میں چالیس سال تک ایک سوار برابر چلتا رہے یا فرمایا ستر سال تک چلتا رہے (تب بھی وہ مسافت طے نہ ہو اور جب عرض' چوڑائی' کا یہ حال ہے تو لمبائی کا حال تو خدا ہی جانتا ہے) اس حدیث کے ایک راوی سفیان نے اپنی روایت میں (مغرب کی جانب کے بجائے) شام کی جانب کا ذکر کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ نے جس دن سے آسمان وزمین پیدا فرمائے ہیں اسی دن سے اس دروازہ کو توبہ کے لئے کھلا پیدا فرمایا ہے یہ بند نہ ہوگا یہاں تک کہ (قیامت آنے کے وقت مشرق کے بجائے) اسی دروازے سے سورج نکلے گا (تب بند ہو جائے گا اور قیامت آجائے گی)۔

زندگی اہم تین تعلیمات

اس حدیث شریف کے تین حصے ہیں (۱) ایک مسح علی الخفین (چرمی موزوں پر مسح) کا مسئلہ ہے زر بن حبیش کے دل میں بول وبراز جیسی غلیظ نجاستوں کے خارج ہونے کے بعد وضو میں موزے اتار کر پاؤں دھونے کے بجائے موزوں پر مسح کرنے میں تردد تھا صفوان بن عسالؓ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سن کر وہ خلجان دور ہو گیا اور سمجھ میں آ گیا کہ وضو کو واجب کرنے والی تمام چیزوں کا حکم ایک ہے اور موزے اتار کر پاؤں دھونے کے بجائے موزوں پر مسح کر لینا کافی ہے ہاں غسل کو واجب کرنے والی چیزوں میں مسح کافی نہیں ہے موزے اتار کر پاؤں دھونے ضروری ہیں گویا پاؤں دھونے کے بجائے موزوں پر ہی مسح کر لینا شریعت کی جانب سے ایک تخفیف اور سہولت ہے جو وضو کے ساتھ مخصوص ہے اس لئے کہ وضو بار بار کرنا پڑتا ہے ہر مرتبہ چرمی موزے اتارنا دشواری کا موجب ہے اس لئے اس میں تخفیف اور سہولت کی ضرورت ہے اس کے برعکس غسل کی ضرورت بہت کم اور شاذ ونادر پیش آتی ہے اس میں تخفیف کی چنداں ضرورت نہیں، علاوہ ازیں جنابت (موجب غسل ناپاکی) نجاست غلیظہ ہے اس میں تمام جسم کا دھونا اور غسل کرنا ضروری ہے حدیث شریف میں آتا ہے تحت کل شعرة جنابة (ہر بال کے نیچے جنابت کا اثر ہے) اسی لئے غسل جنابت (ناپاکی کے غسل) میں بالوں کی جڑوں تک میں پانی پہنچانا ضروری ہے۔

سبق آموز بات

اس حدیث میں دیکھنے اور سبق لینے کی بات یہ ہے کہ قرون اولیٰ (پہلی صدیوں) کے مسلمانوں کے ایمان خدا اور اس کے رسول کی تعلیمات پر اتنے قوی ہوتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کا سن لینا ان کے ہر طرح کے خلجان اور تردد کو دور کرنے کیلئے کافی ہوتا تھا اس کے برعکس ہم آج قرآن وحدیث میں منصوص اور صریح احکام سنتے ہیں مگر ہمارے دل مطمئن نہیں ہوتے طرح طرح کے شکوک وشبہات اور احتمالات وتاویلات ہمارے ذہنوں پر مسلط رہتے ہیں اور اطمینان قلب نصیب نہیں ہوتا یہ ہمارے ضعف ایمان کا نتیجہ ہے اللہ تعالیٰ ہمیں کامل اور پختہ ایمان نصیب فرمائیں۔آمین

حقیقی حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کرشمہ

(۲) حدیث کا دوسرا حصہ کسی جماعت یا گروہ سے محبت کرنے سے متعلق ہے اول تو زر بن حبیش کا سوال ہی ان کی تمنا اور آرزو کی غمازی کر رہا ہے کہ ان کا منتہائے آرزو یہ ہے کہ کسی طرح آخرت میں محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی رفاقت نصیب ہو جائے مگر اعمال کے اعتبار سے اپنی پستی اور کمتری کو دیکھ کر مایوس ہو جاتے ہیں پھر محبت کا جذبہ سر ابھارتا ہے پھر اپنی کمتری کو دیکھ کر مایوس ہو جاتے ہیں اسی کشمکش سے نجات پانے کے لئے حضرت صفوان رضی اللہ عنہ سے سوال کرتے ہیں اور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا محبت نواز جواب بلکہ خوشخبری سن کر مطمئن ہو جاتے ہیں یہ سب کچھ اس حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کرشمہ ہے جس کے متعلق سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

تم میں سے کوئی کامل مومن نہ ہوگا یہاں تک کہ میں اس کے لئے اس کے ماں باپ سے اولاد سے اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

یعنی جب تک محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی مسلمان کے لئے احب خلق اللہ (خدا کی مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب) نہ بن جائے اس وقت تک اس کا ایمان ہی کامل نہیں ہوتا۔

کسی سے محبت کا تقاضا

وعن زر بن حبیشٍ رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: اتیت صفوان بن عسالٍ رضی اللہ عنه اسالهٗ عن المسح علی الخفین فقال: ما جآء بک یازر .... (رواہ الترمذی)

یادرکھئے! کسی قوم یا گروہ یا فرد سے واقعی محبت کا فطری تقاضا یہ ہوتا ہے کہ انسان اپنی استطاعت کے بقدر اعمال واخلاق میں گفتار وکردار میں صورت وسیرت میں معیشت ومعاشرت میں غرض ہر چیز میں اپنی ہستی کو محبوب کی سیرت کے سانچہ میں ڈھال لیتا ہے اور اس کے ہر قول وفعل پر عمل کرنے میں غایت درجہ لطف ولذت اور سرور وانبساط محسوس کرتا ہے اسی لئے یہ محبت محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کامل (مکمل پیروی) کا وسیلہ بن جاتی ہے جس پر خالق کائنات کی محبت ومغفرت کا مدار ہے اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے سورہ آل عمران میں ارشاد فرماتے ہیں:

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تم کہہ دو! اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔

لہٰذا اس مبنی بر محبت اتباع کے بعد آخرت میں محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میسر آنے میں کوئی تردد ہو ہی نہیں سکتا اسی لئے آپ نے ارشاد فرمایا ہے: المرء مع من احب یوم القیامة (آدمی جس سے محبت کرے گا قیامت کے دن اسی کے ساتھ ہوگا)

اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت وپیروی کرنے والوں کو اس ''رفاقت'' کی خوشخبری اس آیت کریمہ میں سنائی ہے۔

ومن یطع اللہ ورسوله فاولئک مع الذین انعم اللہ علیهم من النبیین والصدیقین والشهدآء والصالحین وحسن اولئک رفیقاً (النساء)

اور جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کریں گے وہی لوگ ان کے ہمراہ ہونگے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے انبیاء کے اولیاء کے شہداء کے اور نیکوکاروں کے اور یہی (چاروں گروہ سب سے) اچھے رفیق ہیں (دنیا اور آخرت کی زندگی کے ساتھی ہو سکتے ہیں)۔

کس کا حشر کس کے ساتھ ہوگا؟

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان وحی ترجمان سے نکلے ہوئے اس چند کلمات پر مشتمل چھوٹے سے فقرہ میں صرف عاشقان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے رفاقت محبوب کی خوشخبری ہی نہیں ہے بلکہ یہ ایک فطری اور طبعی معیار اور کسوٹی بھی ہے جس پر پرکھ کر ہر فرد اور قوم کے متعلق بآسانی معلوم کیا جا سکتا ہے کہ قیامت کے دن اس کا حشر کن لوگوں کے ساتھ ہوگا؟ اس لئے کہ انسان فطری طور پر اعمال واخلاق' گفتار وکردار' صورت وسیرت' لباس وہیئت' معیشت ومعاشرت غرض اپنی پوری زندگی میں غیر شعوری یا شعوری طور پر انہی لوگوں کے نقش قدم پر چلنے بلکہ ہو بہو ان کی نقل اتارنے کی کوشش کرتا ہے جن سے وہ محبت کرتا ہے جن کو دل سے اچھا سمجھتا ہے اس محبت وپسندیدگی کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ہر چیز میں انہی کا اتباع اور پیروی کرتا ہے اور

پھر مرنے کے بعد انہی کے ساتھ اس کا حشر ہوتا ہے یہی مطلب ہے صادق مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا۔

من تشبہ بقوم فھو منھم

جس نے کسی قوم سے مشابہت اختیار کی وہ اسی قوم میں سے ہوتا ہے اور اس خطرہ کے پیش نظر سرتاپا رافت ورحمت نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو متنبہ فرماتے ہیں۔

المرء علی دین خلیلہ فلینظر احدکم من یخالہٗ

آدمی اپنے جگری دوست کے دین پر ہوا کرتا ہے اس لئے تم میں سے ہر شخص کو خوب اچھی طرح دیکھ لینا چاہئے کہ وہ کس (فرد یا قوم) سے دلی محبت کرتا ہے۔

ہماری زندگی اور اس کا نتیجہ

اس معیار کی روشنی میں جب ہم اپنی زندگی اور معیشت ومعاشرت کا جائزہ لیتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ ہم زندگی کے ہر شعبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ کی اور انبیاء واولیاء صحابہ وتابعین اور صلحا واتقیاء امت کی پیروی کرنے کے بجائے شعوری یا غیر شعوری طور پر فرنگیوں کے نقش قدم پر چلنے بلکہ گفتار وکردار اور معیشت ومعاشرت میں ان کی مکمل نقل اتارنے میں سرگرداں ہیں خاص کر ہماری نئی اور تعلیم یافتہ نسل تو اسلام کو بھی ''ماڈرن'' بنانے میں مصروف ہے اس کا نتیجہ خاکم بدہن اس کے سوا کچھ نہیں کہ ہمارا حشر قیامت کے دن فرنگیوں اور یورپین اقوام کے ساتھ ہوگا۔ العیاذ باللہ

ایک غلط فہمی کا ازالہ

یاد رکھئے اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ آپ اب سے ڈیڑھ ہزار سال پہلے کی زندگی کو اختیار کریں اور موجودہ زمانے کی ترقیات' ایجادات اور مصنوعات سے فائدہ نہ اٹھائیں آپ ہر چیز کو استعمال کیجئے اس سے فائدہ اٹھایئے وہ اللہ کی نعمت ہے مگر اپنی معاشرت میں غیر مسلموں کی خصوصیات اور غیر اسلامی شعار (امتیازات) کو یک قلم ترک کر دیجئے کسی بھی قوم کی نقالی اور ریس نہ کیجئے یہی آپ کی قومی خودداری کا تقاضا بھی ہے۔

ہمارا فرض

اس لئے ہمارا فرض ہے کہ محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے عبرت آموز فرمان **المرء مع من احب یوم القیامۃ** سے سبق حاصل کر کے جلد از جلد اپنی معیشت ومعاشرت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ کے اور صلحا واتقیاء امت کی زندگی کے سانچہ میں ڈھال لیں اور اپنے اسلاف کی اسلامی معاشرت کو اختیار کریں اور غیر مسلموں' خصوصاً فرنگیوں کی تمام خصوصیات اور غیر اسلامی شعار یکسر ترک کر دیں۔

ایک فائدہ

حدیث کا تیسرا حصہ توبہ کے دروازہ کی انسانی تصور سے بالاتر وسعت وفراخی کے بیان سے متعلق ہے اسی کے ساتھ آفتاب کے مشرق کے بجائے مغرب سے نکلنے اور توبہ کا دروازہ بند ہونے کے باہمی ربط وتعلق کو بھی ظاہر کرتا ہے کہ گناہ اور توبہ انسانی خلقت کے لوازمات میں سے ہیں جب تک یہ عالم اور اس میں انسان رہیں گے گناہ اور توبہ کا سلسلہ بھی باقی رہے گا اور جب یہ عالم اور اس میں آباد انسان فنا ہو جائیں گے یعنی قیامت آجائے گی تو نہ گناہ کا وجود ہوگا نہ توبہ کا۔

دعا کیجئے: یا اللہ! جو جو دشواریاں' بیماریاں' پریشانیاں جس میں ہم مبتلا ہیں اور آنے والے خدشات آفات ہیں ان سب سے ہم کو محفوظ رکھئے۔

ایک عجیب واقعہ

وعن ابی سعیدٍ سعد بن مالک بن سنان الخدری رضی اللہ عنہ ان نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: کانَ فیمن کان قبلکم رجلٌ قتل تسعةً وتسعین نفسًا فسأل عن اعلم اھل الارض فدل علٰی راھب......... (بخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی رحمت حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم سے پہلی ایک امت میں ایک آدمی تھا جو ۹۹ آدمیوں کو قتل کر چکا تب اس نے (لوگوں سے) روئے زمین کے سب سے بڑے عالم کا پتہ دریافت کیا تو (لوگوں نے) اس کو ایک (عیسائی) "راہب" کا پتہ بتلایا یہ شخص اس راہب کے پاس آیا اور کہا: میں ننانوے آدمیوں کو قتل کر چکا ہوں کیا اب بھی میرے لئے توبہ (کا امکان) ہے؟ راہب نے کہا: نہیں تو اس نے راہب کو بھی قتل کر ڈالا اور اس طرح سو قتل پورے کر دیئے اور پھر (لوگوں سے) روئے زمین کے سب سے بڑے عالم کا پتہ دریافت کیا تو (لوگوں نے) اس کو ایک اور عالم کا پتہ بتلایا یہ (ایک سو بندگان خدا کا قاتل) اس کے پاس گیا اور کہا میں سو آدمیوں کو قتل کر چکا ہوں اب بھی میرے لئے توبہ (کا امکان) ہے؟ اس نے کہا "ہاں ضرور ہے اور بھلا اللہ کے بندے اور توبہ کے درمیان کوئی امر حائل (اور مانع) ہو سکتا ہے؟ تم فلاں فلاں بستی میں جاؤ وہاں اللہ کے کچھ عبادت گزار و مقبول بندے شب و روز اپنے رب کی عبادت میں مصروف ہیں تم ان کے ساتھ رہ کر اللہ کی عبادت میں مصروف ہو جاؤ اور ہاں دیکھنا! اپنی اس گناہ کی سرزمین (بستی) کی طرف پھر واپس آنے کا نام تک نہ لینا یہ بہت بری سرزمین ہے" وہ شخص اس بستی کی جانب چل دیا آدھا راستہ طے کیا تھا کہ موت آ گئی تو اس کی روح کے بارے میں رحمت کے فرشتوں اور عذاب کے فرشتوں میں جھگڑا ہونے لگا رحمت کے فرشتوں نے کہا یہ شخص (اپنے گناہوں سے) تائب ہو کر دل سے اللہ تعالیٰ کی رحمت کی طرف متوجہ ہو چکا (لہٰذا اس کی روح کو ہم علیین میں لے جائیں گے) عذاب کے فرشتوں نے کہا (یہ تو صحیح ہے لیکن) اس نے کوئی نیک کام مطلق نہیں کیا (پھر یہ رحمت کا مستحق کیسے ہوگا) تو (اللہ کے حکم سے) ایک فرشتہ انسانی صورت میں ان کے سامنے آیا دونوں فریق نے اس کو اپنا (جھگڑا طے کرنے کے لئے) حکم (ثالث) بنا لیا تو اس (انسان نما فرشتہ) نے کہا "بھئی (جھگڑا کیوں کرتے ہو) دونوں سرزمینوں (گناہ کی بستی اور عبادت و طاعت کی بستی) کی پیائش کر لو جس علاقہ سے یہ قریب تر ہو اسی علاقہ کے لوگوں میں شامل کر دو" چنانچہ انہوں نے پیائش کی اس علاقہ سے قریب تر پایا جس میں عبادت الٰہی کے ارادے سے وہ جا رہا تھا صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں تو اس روایت کے الفاظ یہی ہیں لیکن ایک اور صحیح روایت میں اتنا اضافہ ہے کہ نیکوکاری کے علاقہ کی جانب 'صرف ایک بالشت مسافت زیادہ تھی اسی لئے اس بستی والوں میں شمار کیا گیا ایک اور صحیح روایت میں ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے بدکاری کی سرزمین کو حکم دیا کہ: تو دور ہو جا" اور نیکوکاری کی سرزمین کو حکم دیا کہ تو قریب ہو جا" اور (اس کے بعد) اس فرشتہ نے کہا: اب دونوں علاقوں کی مسافت ناپ لو" تو نیکی کی سرزمین سے ایک بالشت قریب تر نکلا اور اس کی مغفرت کر دی گئی ایک اور روایت میں یہ بھی مذکور ہے کہ (مرتے وقت) اس نے اپنا سینہ (رخ) نیکوکاری کی سرزمین کی طرف کیا ہوا تھا۔

قرآن وحدیث سے تائید

یہ واقعہ اگرچہ کسی پہلی امت کا ہے مگر صادق مصدوق علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اس کو امت کے سامنے بیان کرنا اس کے سچے اور صحیح ہونے کی دلیل ہے چنانچہ قرآن وحدیث کی تصریحات کی رو سے بھی کتنے ہی شدید اور کثیر گناہوں کا کوئی شخص مرتکب کیوں نہ ہو چکا ہو توبہ کا دروازہ پھر بھی اس کے لئے کھلا ہے صدق دل سے کی ہوئی توبہ زیادہ سے زیادہ اور سخت سے سخت گناہوں کی مغفرت کیلئے بھی کافی ہے ارحم الراحمین کا ارشاد ہے۔

یاعبادی الذین اسرفوا علی انفسھم لاتقنطوا من رحمة الله' ان الله یغفر الذنوب جمیعاً (الزمر آیت ۵۳)

اے میرے وہ بندو جو اپنی جانوں پر حد سے زیادہ ظلم کر چکے ہو (ساری عمر بڑے بڑے گناہوں میں گزاری ہے) تم (اب بھی) اللہ کی رحمت سے مایوس مت ہو بیشک اللہ سارے گناہوں کو بخش دے گا۔

اسی طرح صحیح مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں آتا ہے کہ بعض کفار ومشرکین نے عرض کیا آپ کا دین بہت اچھا ہے اور ہم اس کو قبول کرنے کے لئے تیار ہیں بشرطیکہ ہمیں اپنے کثرت سے کئے ہوئے سابقہ گناہوں کفر وشرک، قتل وزنا وغیرہ کے کفارہ کا یقین اور ان کے معاف ہونے کا اطمینان ہو جائے'' تو اس پر مذکورہ بالا آیت کریمہ اور آیت کریمہ ذیل نازل ہوئی۔

والذین لایدعون مع الله (الی) الامن تاب وامن وعمل عملاً صالحاً فاولئک یبدل الله سیأتھم حسنات' وکان الله غفوراً رحیماً (الفرقان:۷۰)

اور وہ لوگ جو نہیں پکارتے (ترجمہ والے قرآن سے پوری آیت پڑھئے اور سمجھئے) بجز ان لوگوں کے جنہوں نے توبہ کرلی اور ایمان لے آئے اور نیک کام کئے تو اللہ ان کی بدکرداریوں کو نیکوکاریوں سے بدل دے گا (ایمان کے بعد نیکوکاریوں کو ایمان سے پہلے کی بدکاریوں کا کفارہ بنا دے گا) اور اللہ تو بڑا ہی مغفرت کرنے والا مہربان ہے۔

نیز رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

الاسلام یھدم ماکان قبله

اسلام مٹاڈالتا ہے اسلام سے پہلے کے جو بھی گناہ ہوتے ہیں ان کو۔

مگر شرط یہی ہے کہ صدق دل سے کی ہوئی توبہ ہو اور توبۃ نصوحا (گناہوں سے باز رکھنے والی سچے دل سے توبہ) کا مصداق ہو ادعیہ ماثورہ میں آتا ہے۔

واسئلک توبة نصوحاً اور میں تجھ سے سوال کرتا ہوں (گناہوں سے) باز رکھنے والی توبہ کا۔

دُعا کیجئے

یا اللہ! ان احادیث میں ہم نے جو اسلامی آداب واحکام سیکھے ہیں ان پر دل وجان سے عمل کر کے اپنی رضا والی زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمایئے۔

اے اللہ! جو علم آپ نے ہمیں دیا اس سے نفع عطا فرمائے اور ہمیں وہ علم دیجئے جو ہمیں نفع دے۔

عظیم توبہ

وعن ابی نجیدٍ عمران بن الحصین الخزاعی رضی اللہ عنھما ان امرأۃً من جھینۃ اتت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھی حبلٰی من الزنا . (رواہ المسلم)

ترجمہ: حضرت ابو نجید عمران بن حصین رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ: قبیلہ جہینہ کی ایک عورت جو نا جائز طور پر (زنا سے) حاملہ تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا: میں نے قابل سزا جرم (زنا) کا ارتکاب کیا ہے آپ مجھ پر حد (زنا) جاری کیجئے آپ نے اس کے سرپرست کو بلایا اور فرمایا: (دیکھو یہ عورت حاملہ ہے اس حالت میں اس پر کوئی حد نہیں لگائی جا سکتی) تم اس کو اچھی طرح اپنے پاس رکھو جب بچہ پیدا ہو جائے (اور ایام زچگی گزر جائیں) تو اس کو میرے پاس لانا' چنانچہ اس سرپرست نے ایسا ہی کیا (اور ایام نفاس (زچگی) گزر جانے کے بعد اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اس کے جسم پر کپڑے اچھی طرح باندھ دو (تاکہ پتھروں کی چوٹ سے کپڑے پھٹ کر جسم سے الگ نہ ہوں) چنانچہ اس کے کپڑے خوب کس کر رسی سے باندھ دیئے گئے اس کے بعد آپ نے اس کو سنگسار کرنے (پتھر مار کر ہلاک کرنے) کا حکم دیا (چنانچہ سینے تک گہرا گڑھا زمین میں کھود کر اس کو گڑھے کے اندر کھڑا کر دیا گیا اور) پتھروں سے مار کر اسے ہلاک کر دیا گیا (اس کے بعد اس کی تجہیز و تکفین کی گئی اور) آپ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی اس پر حضرت عمرؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس عورت نے تو زنا کیا تھا اور آپ نے اس کی نماز جنازہ پڑھا دی۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: (اے عمر) خدا کی قسم اس عورت نے ایسی (عظیم) توبہ کی ہے کہ اگر مدینہ کے ستر گنہگاروں پر بھی تقسیم کر دی جائے تو سب کی مغفرت کے لئے کافی ہے اور کیا تمہارے خیال میں اس سے بڑھ کر بھی کوئی توبہ ہو سکتی ہے کہ اس عورت نے محض اللہ تعالیٰ کے (قہر وغضب سے بچنے کے) لئے (برضا و رغبت) جان دے دی (اگر وہ نہ بتلاتی یا اقرار نہ کرتی تو اگرچہ دنیا میں تو اس کی جان بچ جاتی مگر خدا کے قہر وغضب اور جہنم کے عذاب سے تو نہ بچتی)۔

اس عورت کی توبہ کے عظیم ہونے کی وجہ

اس عورت پر بھی خوف وخشیت الٰہی شدت کے ساتھ طاری تھا ورنہ توبہ کا دروازہ اس کے لئے کھلا تھا لیکن اول تو اس توبہ کے قطعی طور پر قابل قبول ہونے کے یقینی علم کی کوئی سبیل نہ تھی علاوہ ازیں حمل اس عورت کی پیشانی پر ایک ایسا کلنک کا ٹیکہ تھا جو کسی طرح مٹ ہی نہ سکتا تھا اس لئے دنیا کی رسوائی سے تو کسی طرح بچ ہی نہ سکتی تھی پھر شادی شدہ عورت ہونے کی وجہ سے زندگی اور بھی اجیرن ہو جاتی اس لئے اس عورت کے واسطے دنیا اور آخرت دونوں کی رسوائی اور خدا کے قہر وغضب اور آخرت کے عذاب سے بچنے کی اس کے سوا اور کوئی صورت ہی نہ تھی کہ اس نے خود کو خدائی سزا یعنی حد کے لئے پیش کر دیا اور جان دے دی دنیا میں بھی پردہ ڈھک گیا اور آخرت میں مغفرت کی بشارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دے دی اس کے علاوہ خدا کے

عدل وانصاف سے قطعی بعید ہے کہ وہ ایک جرم کی سزا دنیا میں بھی دے اور آخرت میں بھی، اس عورت نے اگر چہ زبان سے توبہ نہیں کی مگر اس کا خود کو گناہ کی سزا بھگتنے کے لئے پیش کر دینا اور خدا کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دینا ہی سب سے بڑی توبہ ہے اگر یہ عورت خود کو اس طرح حکم خداوندی کے لئے پیش کرنے کے بجائے خود، خودکشی کر لیتی تو مغفرت تو در کنار دو گناہوں کی مرتکب اور دو جرموں کی مجرم بن جاتی ایک زنا اور ایک خودکشی اور آخرت میں دو گناہوں کے عذاب میں گرفتار ہوتی۔

گناہوں کی جڑ اور اس سے توبہ

حضرت ابن عباس اور انس بن مالک رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر ابن آدم (انسان) کے پاس سونے (چاندی) کی ایک وادی بھی ہو (یعنی زر و سیم سے بھری ہوئی ایک وادی بھی ہو) تب بھی چاہے گا کہ اس کے پاس (سونے چاندی کی ایک کے بجائے) دو وادیاں ہوں اس کی ہوس کا منہ تو قبر کی مٹی (موت) کے سوا اور کوئی نہیں بھر سکتا اور اللہ تعالیٰ اسی پر مہربان ہوتا (اور اس ہوس مال و زر سے بچاتا) ہے جو توبہ کرتا ہے۔

مال و دولت کی ہوس

مال و زر کی ہوس انسان کو اندھا بنا دیتی ہے ساری عمر حرام و حلال کا فرق، ناجائز و جائز کی تمیز اور گناہ و ثواب کی پرواہ کئے بغیر ہمہ وقت مال جمع کرنے میں منہمک اور سو کے بعد دو سو، ہزار کے بعد دو ہزار لاکھ کے بعد دو لاکھ اور کروڑ کے بعد دو کروڑ کے چکر میں پھنسا رہتا ہے اور جہنم کی طرح **ھل من مزید** کا نعرہ اس کی زبان پر رہتا ہے۔ یہی ہوس زر اندوزی اس سے بے شمار گناہ کراتی ہے اور بے حساب مصیبتوں کا مرتکب بناتی ہے اور ساری عمر اسی گناہ آلود زندگی میں گزر جاتی ہے اور اسی حالت پر مر جاتا ہے اور دوزخ کا کندہ بنتا ہے بجز اس شخص کے جس کو اللہ تعالیٰ اس ہوس زر سے توبہ کرنے اور حلال مال پر قناعت کرنے کی توفیق عطا فرما دیں وہی اس ہوس کے چکر سے نکل سکتا ہے اور گناہوں سے بچ سکتا ہے اسی لئے ادعیہ ماثورہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حسب ذیل دعاؤں کی تعلیم دیتے ہیں۔

(۱) رب قنعنی بمارزقتنی وبارک لی فیما اعطیتنی

(۱) اے میرے پروردگار! جو روزی تو نے مجھے دی ہے اس پر مجھے قانع بنا دے اور جو (مال و منال) مجھے تو نے عطا فرمایا ہے اس میں برکت عطا فرما (کہ ضروریات پوری ہو جائیں)

(۲) اللھم اکفنی بحلالک عن حرامک وبطاعتک عن معصیتک واغننی بفضلک عمن سواک

اے اللہ تو مجھے حلال (روزی) کے ذریعہ حرام (روزی) سے اور اپنی فرمانبرداری کے ذریعہ اپنی نافرمانی سے کفایت دے (بچا لے) اور اپنے فضل و احسان کے ذریعہ اپنے ماسوا سے بے نیاز فرما دے۔

دُعا کیجئے

یا اللہ! مجبوراً معاشرہ کے غلبہ سے اور نفس و شیطان کے غلبہ سے ہم سے جو فسق و فجور کے کام ہوئے ہیں ہم ان سے نفرت کرتے ہیں اور چھوڑ دینے کا عزم کرتے ہیں۔ مگر ڈرتے ہیں کہ پھر ہم سے ان کا ارتکاب ہو جائے گا۔ یا اللہ آپ ہی محافظ حقیقی ہیں۔ رحم کرنے والے ہیں ہم پر رحم فرمایئے، ہمیں محفوظ رکھئے اور اپنا مورد رحمت بنا لیجئے۔

توبہ کا کرشمہ

وعن ابی هريرة رضی الله عنه ان رسول الله صلی الله عليه وسلم قال: "يضحک الله سبحانهٗ وتعالیٰ الیٰ رجلين يقتل احدهما الأخر يدخلان الجنة يقاتل هٰذا فی سبيل الله فيقتل ثم يتوب الله علی القاتل فيسلم فيستشهد" متفق عليه.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ (اپنی بے نیازی اور شان کریمی پر) ان دو آدمیوں (کے انجام) کے بارے میں تبسم فرماتے ہیں جن میں سے ایک دوسرے کو قتل کر دیتا ہے اور قاتل ومقتول دونوں جنت میں جاتے ہیں اور اس طرح کہ ایک مسلمان اللہ کی راہ میں لڑتا ہوا دوسرے کافر کے ہاتھ سے شہید ہوتا ہے (جنت میں جاتا ہے) اس قاتل کو اللہ تعالیٰ کفر وشرک سے توبہ کرنے کی توفیق عطا فرما دیتا ہے وہ کفر وشرک سے توبہ کرتا ہے مسلمان ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑتا ہوا شہید ہوتا ہے (اور جنت میں جاتا ہے)

قاتل اور مقتول دونوں جنت میں

ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ توبہ کا کرشمہ ہے یہ قاتل کفر وشرک سے توبہ کرنے اور پھر بطور کفارہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں کافروں سے جنگ کرنے کی بدولت ہی شہید اور جنت کا مستحق ہوتا ہے ورنہ ایک مسلمان کو قتل کرنے کے جرم میں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے جہنم میں جاتا۔

اس لئے توبہ کرنے کی توفیق اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے توبہ کرنے میں ذرہ برابر تساہل اور تاخیر نہ کرنی چاہئے خواہ کفر وشرک سے ہو خواہ اور گناہوں سے اسی لئے امام نووی اس حدیث کو توبہ کرنے کے باب میں لائے ہیں اللہ تعالیٰ ہم سب کو صدق دل سے توبہ واستغفار کی توفیق فرمائیں۔

صبر کے لغوی اور شرعی معنی

عربی زبان میں لفظ صبر تین طریق پر اور تین معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ (۱) کسی چیز کو برداشت کرنا۔

(۲) کسی چیز سے بچنا اور باز رہنا۔

(۳) کسی چیز (حالت) میں جزع وفزع (رونا پیٹنا) اور شکوہ وشکایت نہ کرنا۔

صبر کی تین قسمیں

اسی طرح شریعت میں بھی صبر کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) اللہ کی عبادت وطاعت میں نفس پر گراں گزرنے اور ناگوار محسوس ہونے والے تمام امور (اعمال وافعال) کو بخندہ پیشانی برداشت کرنا اور خدا کی عبادت وطاعت میں مصروف رہنا اسی صبر کو اردو زبان میں ثابت قدمی اور استقلال سے اور شریعت میں استقامت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

(۲) جن امور۔ چیزوں سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے اگرچہ وہ نفس کو کتنی ہی مرغوب کیوں نہ ہوں اور کتنا ہی ان کے لئے دل کیوں نہ مچلے ان سے کلی طور پر باز رہنا اور بچنا۔

(۳) جو مصیبتیں انسان پر آئیں یا جانی ومالی نقصان اور صدمے اٹھانے پڑیں خواہ انسانوں کا اس میں دخل ہو یا نہ ہو ان کو منجانب اللہ سمجھ کر برداشت کرنا اور راضی برضائے مولا رہنا۔

مذکورۂ بالا آیات میں:

آیت نمبر (۱) و(۲) صبر کی قسم اول الصبر علی طاعة الله کے تحت داخل ہیں۔

آیت نمبر (۲) و (۴) صبر کی قسم سوم الصبر فیما نزل من المصائب کے تحت داخل ہیں۔

• آیت نمبر (۳) و (۵) جملہ اقسام صبر کو شامل ہیں۔

آیات کی مزید تشریح احادیث کی شرح کے ذیل میں آتی ہے۔

صبر ایک عظیم روشنی ہے۔

ابو مالک حارث بن عاصم اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا (۱) طہور۔ ظاہری اور باطنی طہارت۔ نصف ایمان ہے۔ (۲) الحمد للہ (اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا) اعمال کی ترازو کو بھر دیتی ہے (۳) اور سبحان اللہ والحمدللہ' اللہ تعالیٰ کی تسبیح (تنزیہ) اور حمد وثنا دونوں تو آسمان وزمین کے درمیان (کی فضا) کو بھر دیتے ہیں (۴) اور نماز ایک (عظیم الشان) نور ہے (۵) اور صدقہ وخیرات (حب مال نہ ہونے کی) ایک قطعی دلیل ہے (۶) اور صبر ایک (عظیم) روشنی ہے۔

(یادرکھو) ہر شخص جو صبح سویرے نکلتا (اور عملی زندگی میں قدم رکھتا) ہے تو وہ اپنے نفس کا سودا کرتا ہے پس (یا) اس کو (خدا کی اطاعت کر کے آخرت کی پکڑ سے) آزاد کرالیتا ہے یا (اس کی نافرمانی کر کے) ہلاکت میں ڈال دیتا ہے۔

اس مختصر سی حدیث میں جوامع الکلم (ہمہ گیر کلام) کے مالک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات عظیم حقائق شرعیہ پر ایمان افروز روشنی ڈالی ہے اور آخر میں انسان کی عملی زندگی کا تجزیہ فرمایا ہے ارشاد ہے۔

(۱) کامل طہارت آدھا ایمان ہے۔ اس لئے کہ ایمان عقائد واعمال کے مجموعہ کا نام ہے اور طہارت پر۔ خواہ جسمانی اور ظاہری نجاستوں اور گندگیوں سے طہارت ہو' خواہ روحانی اور باطنی غلاظتوں یعنی کفر وشرک' اخلاق رذیلہ' منہیات شرعیہ (شرعاً حرام اور ممنوع کام) اور خواہشات نفس سے طہارت ہو۔ تمام اعمال۔ عبادات وطاعات۔ کی قبولیت کا مدار ہے اور عبادات وطاعات یعنی اعمال نصف ایمان ہیں لہٰذا "طہارت" بھی نصف ایمان' ہوئی۔

یا یوں کہئے کہ ایمان کے معنی ہیں: شرک وکفر اور ریا وسمعہ (دکھلاوا اور شہرت طلبی) وغیرہ عقائد باطلہ اور رزائل باطنیہ سے قلب وروح کا پاک وصاف ہونا اور طہور کے معنی ہیں جسمانی حسی اور شرعی نجاستوں سے بدن' لباس وغیرہ کا پاک وصاف ہونا اول کا نام "طہارت باطن" یعنی ایمان ہے دوم کا نام "طہارت ظاہر" یعنی طہور ہے اور دین میں دونوں قسم کی طہارتیں مطلوب ہیں اس لحاظ سے طہور ایمان کا نصف ثانی ہے۔

(۲) "تمام تر تعریف اللہ کی ہے" یہ کہنا عمل کی ترازو کو بھر دیتا ہے۔ اس لئے کہ تمام تر کمالات اور تعریفیں خواہ براہ راست اللہ تعالیٰ کی تعریفیں ہوں یا اور اس کی کسی مخلوق کی' کیونکہ مصنوع (بنی ہوئی چیز) کی تعریف دراصل اس کے صانع (بنانے والے) کی تعریف ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہونے کا دل سے اقرار کرنا اور زبان سے اس کا اظہار کرنا اگر ریاکاری اور شہرت طلبی کی آلودگی سے پاک ہو اور اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول' تو بندہ کی عمل کی ترازو' کو بھر دینے کے لئے بہت کافی ہے۔

دُعا کیجئے

یا اللہ! ان احادیث میں ہم نے جو اسلامی آداب واحکام سیکھے ہیں ان پر دل وجان سے عمل کر کے اپنی رضا والی زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائیے۔

صبر ایک عظیم روشنی ہے

وعن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: "یضحک اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ الیٰ رجلین یقتل احدھما الآخر یدخلان الجنۃ یقاتل ھٰذا فی سبیل اللہ (ریاض الصالحین)

(۳) اللہ پاک ومبرا ہے اور تمام تر تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں دونوں کلمے آسمان وزمین کے درمیان (کی فضا) کو بھر دیتے ہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام عیوب اور کمزوریوں سے مبرا اور پاک ہونے اور تمام تر کمالات کے تنہا مالک ہونے کا خلوص قلب سے اقرار اور زبان سے اعلان، حاصل افرینش ہے اور صرف زمین وآسمان بلکہ خلاصۂ کائنات ہے اور ریاکاری وشہرت طلبی سے پاک دل اور زبان سے ایک مومن بندہ کا یہ اقرار واعلان زمین وآسمان کو اجر وثواب سے بھر دینے کے لئے کافی ووافی ہے۔

(۴) نماز (عظیم الشان) نور ہے۔ اس لئے کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک مخلص نماز پڑھنے والا جب نماز پڑھتا ہے تو وہ اپنے رب سے مناجات (راز ونیاز کی باتیں) کرتا ہے اور اس کا رب اس کے اور قبلہ کے درمیان ہوتا ہے اسی لئے نماز کو معراج المؤمنین (ایمان والوں کی معراج) کہا گیا ہے۔ لہٰذا ایسی عاشقانہ اور والہانہ نماز دنیا میں بھی نور علی نور۔ نور ہی نور۔ ہے جو قلب مومن کی تمام ظلمتوں کو دور کرنے کے لئے "صیقل" کا کام دیتی ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے (بے شک نماز فحش اور برے اعمال واخلاق سے روکتی ہے) اور اسی لئے حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: (میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے) نیز آخرت میں یہی آیت کریمہ (ان کی (مخصوص) نشانی ان کی پیشانیوں پر سجدوں کے نشان ہیں) کے تحت نمازیوں کی پیشانیوں کا یہ نور ہی آیت کریمہ (ان کا نور ان کے آگے آگے دوڑتا ہوگا) کے مطابق وہ نور ہوگا جو قیامت کے دن جنت کی طرف ان کی رہنمائی کرے گا بہرصورت حضور قلب کے ساتھ پڑھی ہوئی نماز دنیا وآخرت دونوں جہان میں نور ہی نور ہے۔

(۵) صدقہ (کرنا) قطعی دلیل ہے۔ اس لئے کہ خدا پرستی اور عبادت وطاعت الٰہی کی راہ میں "سنگ گراں" (بھاری پتھر) حب مال۔ مال کی محبت ہے ایک مخلص مومن بطیب خاطر اپنی حلال کمائی میں سے مرغوب ترین اور بہترین چیز خلصاً لوجہ اللہ جب اپنے محبوب پروردگار کی راہ میں قربان اور صدقہ کرتا ہے تو اس کے قلب کے حب مال سے پاک ہونے کی قطعی اور واضح دلیل ہے۔

(۶) صبر ایک عظیم روشنی ہے اس لئے کہ خدا پرستی اور احکام الٰہیہ کی پابندی کی راہ میں جو بھی سختیاں، دشواریاں یا آفات ومصائب پیش آئیں یا جانی ومالی نقصانات اٹھانے پڑیں خواہشات نفس کی مقاومت کرنی پڑے بخندہ پیشانی ان سب کو برداشت کرنا اور صبر کرنا ایک کبھی نہ بجھنے والی عظیم روشنی ہے جو "رضا وتسلیم" کے مقام تک انسان کی رہنمائی کرتی ہے اور آیت کریمہ ان اللہ مع الصابرین (بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے) کے تحت معیت الٰہیہ کی سعادت کے حصول کا ذریعہ ہے۔

نیز انسان کا سب سے بڑا مار آستین دشمن نفس امارہ اس کے پہلو میں بیٹھا ہر وقت شہوانی جذبات کو مادی لذائذ پر برانگیختہ کرنے میں لگا رہتا ہے اس کی سرکوبی کرنے اور خواہشات نفسانی کو قابو میں رکھنے اور انوار وتجلیات الٰہیہ سے روح کو روشن کرنے

والی "عظیم روشنی"، یعنی صبر کا مظہر کامل روزہ ہے چنانچہ بہت سے مفسرین آیت کریمہ: **واستعینوا بالصبر والصلوٰۃ** میں صبر کی تفسیر روزہ سے کرتے ہیں بہرصورت صبر ایک آفتاب ہے جس کی ضیاء انسان کے ظاہر و باطن کو سرتاپا روشن رکھتی ہے اسی لئے حدیث میں آیا ہے۔ **الصبر نصف الایمان** (صبر نصف ایمان ہے)

(۷) قرآن حجت (دلیل) ہے تیرے حق میں یا تیرے خلاف۔ اس لئے کہ قرآن عظیم اللہ کا کلام ہے اس کی تلاوت کرنا اس کی تعلیمات پر بقدر طاقت بشری عمل کرنا آخرت کی پکڑ سے بچنے کی ایک حجت (دلیل) ہے اور قرآن کو جزودان میں لپیٹ کر طاق نسیاں پر رکھ دینے اور اسکی تعلیمات کو پس پشت ڈال دینے والوں کے خلاف، یہی قرآن مستحق قہر خداوندی ہونے کی ایک حجت (دلیل) ہے چنانچہ قیامت کے دن قرآن دونوں گروہوں کے حق میں موافق اور مخالف گواہی دے گا جیسا کہ احادیث میں آتا ہے۔

انسانی زندگی کا تجزیہ

ہر آدمی صبح سویرے نکلتا ہے اپنی جان کا سودا کرتا ہے پس یا اس کو آزاد کرالیتا ہے یا ہلاکت میں ڈال دیتا ہے۔ یہ ایک انسانی نجات یا ہلاکت کا معاملہ ہے جو شب و روز ہر قدم پر انسان کے سامنے رہتا ہے اسی حقیقت کو اس موجز (مختصر) جملہ میں افصح العرب والعجم صلی اللہ علیہ وسلم نے ادا فرمایا ہے کہ ہر شخص صبح ہوتے ہی نکلتا، یعنی عملی زندگی میں قدم رکھتا ہے تو وہ درحقیقت اپنے نفس (جان) کا سودا کرتا ہے۔ جس شخص نے صبح سے شام تک ہر کام میں اطاعت خداوندی کو سامنے رکھا اس نے اپنے آپ کو آخرت کی پکڑ سے بچالیا اور عذاب الٰہی سے آزاد کرالیا اور جس شخص نے نفسانی خواہشات اور دنیاوی اغراض کو سامنے رکھا اور خدا کی اطاعت کو پس پشت ڈال دیا اس نے اپنے آپ کو ہلاکت۔ عذاب الٰہی۔ میں ڈال دیا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

ان اللہ اشتری من المؤمنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ (توبہ:۱۱۱)

بے شک اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں سے ان کے جان و مال کو جنت کے عوض خرید لیا ہے

اللہ تعالیٰ "خریدار" ہیں بندہ "سوداگر" ہے اور "جان و مال" وہ متاع عزیز ہے جس کو جنت کے عوض بندہ بیچتا اور اللہ تعالیٰ خریدتے ہیں اور دنیا و آخرت دونوں میں سرخروئی حاصل کرتا ہے یا اس متاع عزیز کو اغراض دنیوی اور خواہشات نفسانی کے عوض انسان بیچتا اور شیطان خریدتا ہے اور دنیا و آخرت دونوں میں ذلیل و خوار ہوتا ہے اور عذاب الٰہی میں اپنی جان کو ہلاک کر ڈالتا ہے۔

دُعا کیجئے

اے اللہ! ہمارے دل کو نفاق سے عمل کو ریا سے زبان کو جھوٹ سے اور آنکھ کو خیانت سے پاک فرما دیجئے کیونکہ آپ آنکھوں کی چوری اور جو کچھ دل چھپاتے ہیں جانتے ہیں۔

اے اللہ! علم سے ہماری مدد فرما اور حلم سے ہمیں آراستہ فرما اور پرہیزگاری سے بزرگی عطا فرما اور امن سے ہمیں جمال عطا فرمائیے۔

صبر سے بڑھ کر کوئی دولت نہیں

وعن ابی سعیدٍ سعد بن مالک بن سنان الخدری رضی اللہ عنھما ان اناسًا من الانصار سألوا رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فاعطاھم، ثم سالوه فاعطاھم...... (بخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: انصار میں سے بعض (ضرورت مند) لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے (مالی امداد کا) سوال کیا آپ نے (بقدرِ ضرورت) ان کو دے دیا پھر (کچھ دن بعد) انہوں نے آپ سے (اسی طرح مالی امداد کا) سوال کیا تو آپ نے پھر (جو مناسب سمجھا) ان کو دے دیا یہاں تک کہ جو (بیت المال کا مال) آپ کے پاس تھا سب ختم ہوگیا چنانچہ جب آپ نے جو کچھ (مال ومتاع) آپ کے پاس تھا سب (اسی طرح ضرورت مند مسلمانوں پر) خرچ کر ڈالا تو ان سے فرمایا: جو بھی مال ومتاع میرے پاس ہوگا میں اس کو تم سے بچا کر ہرگز نہیں رکھوں گا لیکن (تم یاد رکھو کہ یہ مانگنے کی عادت بری ہے) جو شخص مانگنے سے بچنا چاہے گا اللہ تعالیٰ (اس کی ضرورت کو خود پورا فرمادیں گے اور) اس کو مانگنے سے بچادیں گے اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے غنا (مخلوق سے بے نیازی) کا سوال کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو (اپنے فضل وانعام سے) غنی بنادیں گے اور جو کوئی صبر (وضبط) سے کام لے گا اللہ تعالیٰ اس کو صبر (کی توفیق) عطا فرمادیں گے اور (یاد رکھو) صبر (کی دولت) سے بڑھ کر اور وسیع تر، کوئی خیر وبرکت (کسی کو) عطا نہیں کی گئی۔

صبر سے مراد

اس حدیث شریف میں صبر سے مراد جو اللہ تعالیٰ نے دیا اس پر اکتفا کرنا اور زیادہ کی حرص وطمع سے بچنا ہے۔ جس کو علم اخلاق اور شریعت کی اصطلاح میں قناعت کہتے ہیں اور ''ادعیہ ماثورہ'' میں اس کی دعا ذیل کے الفاظ میں مانگنے کی تلقین کی گئی ہے۔

رب قنعنی بمارزقتنی وبارک لی فیما اعطیتنی

رب جو تو نے مجھے روزی دی اس پر تو مجھے قناعت دے اور جو تو نے مجھے عطا فرمایا اس میں برکت دے دے۔

ایک اہم سوال کا جواب

اس دعا میں اس سوال کا جواب بھی آ گیا جو اللہ تعالیٰ نے دیا اگر اس میں ضروریات پوری نہ ہوں تو کیا کریں؟ فرمایا: اللہ سے دعا کرو وہ اسی میں اتنی برکت عطا فرمادیں گے کہ ضروریات پوری ہو جائیں گی'' خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر صدقِ دل سے ایمان رکھنے والے جانتے ہیں کہ ''برکت آسمان سے اترتی ہے'' اس کے ہوتے مقدار رزق کو ضروریات کے پیمانے سے ناپنے کا خیال شیطانی وسوسہ اور نفس کا فریب ہے اس سلسلہ میں بکثرت واقعات احادیث میں مذکور ہیں کتب حدیث کی مراجعت کیجئے اور دل سے حرص وطمع کی بیخ کنی کرنے اور جو خدا نے دیا ہے اس پر سچے دل سے قناعت کرنے کے بعد برکت کے کرشمے مشاہدہ کیجئے۔

اس حدیث میں غنا کا بھی ذکر آیا ہے حدیث شریف میں آتا ہے۔ بہترین غنی نفس کا غنی ہوتا ہے۔

جب اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے انسان کا نفس ''ماسوا اللہ'' سے بے نیاز ہو جاتا ہے تو اگرچہ اس کا ہاتھ خالی ہو اس کا دل غنی ہوتا ہے اور اسے صرف اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم پر اعتماد

ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی شخص یا مال ومنال پر بھروسہ کرتا ہی نہیں اللہ تعالیٰ اپنے خزانہ غیب سے جو وہ مانگتا ہے حسب ضرورت و مصلحت عطا فرماتے ہیں اسی لئے حضرات صوفیا کا مقولہ ہے غنی ہے ہی وہ جو صرف اللہ تعالیٰ کا محتاج ہو۔

عفت کا بیان

اس حدیث میں عفت کا بھی ذکر آیا ہے اس کے معنی ہیں حتی الامکان اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی سے مانگنے اور غیر اللہ کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے بچنا علم اخلاق کی رو سے بھی عفت اخلاق فاضلہ میں سے ہے شرعاً بھی اگرچہ بحالت اضطرار۔ انتہائی مجبوری کی حالت میں۔ کسی سے سوال کرنے اور مانگنے کی اجازت ہے مگر مجبوری کے بغیر سوال کرنے سے بڑی تاکید کے ساتھ منع فرمایا ہے چنانچہ ممانعت سوال سے متعلق احادیث بکثرت کتب حدیث میں مذکور ہیں غنی مطلق اللہ [illegible]رورت مندوں کو ایسے ہی عفت پسند ضرورت مندوں کی ضروریات پورا کرنے کی ترغیب اور اس کی اہمیت وفضیلت سے متعلق ارشاد فرماتے ہیں۔

ناواقف آدمی ان (ضرورت مندوں) کو غنی گمان کرتا ہے ان کے سوال نہ کرنے کی وجہ سے حالانکہ تم ان کے چہرہ بشرہ سے ان کو پہچان لوگے (کہ یہ ضرورت مند ہیں) وہ لوگوں سے [illegible]نگتے ہیں نہ پیچھے پڑتے ہیں۔

صبر کے بڑی دولت ہونے کی وجہ

صبر غنی اور عفت کی اس تشریح کے بعد آپ بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ سب سے بڑی اور سب سے وسیع (ہمہ گیر) فضیلت صبر ہے اس دولت کے میسر آجانے کے بعد کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانے اور مانگنے کی نوبت ہی نہیں آتی اللہ تعالیٰ بغیر مانگے سب کچھ دے دیتے ہیں [illegible] شب وروز کی زندگی میں صدق دل سے اس صبر وقناعت اور غنی وعفت کو اپنا کر دیکھئے پھر حدیث کی حقانیت اور زندگی کی اعلیٰ اقدار کا پتہ چلے گا۔

یہ صبر صبر کی تیسری قسم صبر عن الشئی کے تحت داخل ہے۔

دُعا کیجئے

اے اللہ! ہم ناپسندیدہ اخلاق اور اعمال نفسانی خواہشوں اور بیماریوں سے آپ کی پناہ مانگتے ہیں۔

اے اللہ! ہمارے دل کو نفاق سے عمل کو ریا سے زبان کو جھوٹ سے اور آنکھ کو خیانت سے پاک فرما دیجئے کیونکہ آپ آنکھوں کی چوری اور جو کچھ دل چھپاتے ہیں جانتے ہیں۔

صبر وشکر سرتاسر خیر ہی خیر ہیں

وعن ابی یحییٰ صهیب بن سنانٍ رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم "عجبًا لامر المؤمنِ ان امرهٗ کلهٗ لهٗ خیرٌ ولیس ذٰلک لاحدٍ الا للمؤمنِ، ان اصابته سراء شکر، فکان خیرًا لهٗ، وان اصابتهٗ ضرآء صبر، فکان خیرًا لهٗ" رواه مسلم

ترجمہ: حضرت صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن کا معاملہ بھی کتنا عجیب ہے؟ بیشک مومن کا معاملہ (ہر حالت اور ہر صورت میں) خیر ہی خیر ہے اور یہ سعادت مومن کے سوا اور کسی کو میسر ہی نہیں (وہ معاملہ یہ ہے کہ) اگر مومن کو خوشحالی نصیب ہوتی ہے تو اس پر وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے تو وہ خوشحالی اس کے لئے باعث خیر بن جاتی ہے (اس لئے کہ اس کا شکر ادا کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کی خوشحالی اور مال واولاد اور دوسری نعمتوں میں مزید اضافہ فرماتے ہیں) اور اگر مومن بدحالی (اور تنگدستی) میں گرفتار ہوتا ہے تو اس پر صبر کرتا ہے (اور رضا الٰہی پر راضی رہتا ہے) تو وہ بدحالی اس کے لئے باعث خیر بن جاتی ہے (اور رضا وتسلیم کا بلند ترین مقام میسر آ جاتا ہے۔

صبر وشکر کے خیر بننے کی وجہ

شکر موجب خیر اس لئے بنتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ: بخدا اگر تم شکر ادا کرو گے تو میں یقیناً تم کو اور زیادہ دوں گا صبر موجب خیر اس لئے بنتا ہے کہ صبر سے رضا وتسلیم کا مرتبہ میسر آتا ہے جو اولوالعزم انبیاء ورسل کا مقام ہے اللہ تعالیٰ اپنے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرماتے ہیں: پس اے نبی تم صبر کرو جیسے اولوالعزم انبیاء ورسل نے صبر کیا ہے۔

صبر کی آزمائش کا سب سے سخت مقام

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: جب (مرض الموت میں) محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا مرض زیادہ شدت اختیار کر گیا اور (تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد) آپ پر کرب اور بے چینی کے دورے پڑنے لگے تو (آپ کی اس غیر معمولی تکلیف کو دیکھ کر) حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی زبان سے نکلا: "ہائے میرے پیارے باپ کی بے چینی" تو اس پر آپ نے ان کی تسلی کے لئے فرمایا: آج کے بعد تمہارے باپ پر (کبھی) کوئی بے چینی نہ ہوگی" (ساری بے چینیاں آج کے بعد ختم ہو جائیں گی) پھر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا تو (شدت غم سے) حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی زبان سے نکلا: ہائے میرے باپ! ان کے پروردگار نے جب ان کو بلایا تو انہوں نے فوراً اس بلاوے پر "لبیک" کہا (اور اپنے رب سے جا ملے) ہائے میرے باپ! اب جنت الفردوس جن کا مسکن ہے، ہائے میرے باپ! جبریل امین ہی کو ہم ان کی خبر مرگ سناتے ہیں" (اور غم واندوہ کا اظہار کرتے ہیں) پھر جب صحابہ کرام فخر کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن کر چکے تو حضرت فاطمہؓ نے ان سے کہا: تمہارے دلوں نے رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو زیر زمین دفن کرنا اور ان پر مٹی ڈالنا گوارا کر لیا؟

حضرت فاطمہؓ کے بے ساختہ کلمات

سیدۃ نساء اھل الجنۃ (جنتی عورتوں کی سردار)

حضرت فاطمۃ الزہراء بتقاضائے بشریت اپنے اس عزیز اور محبوب باپ کی جانکنی کی شدت پر۔ جس نے حسب ذیل الفاظ میں فاطمہ سے اپنے غیر معمولی تعلق خاطر کا اظہار فرمایا تھا۔

فاطمہ میرے جگر کا ایک ٹکڑا ہیں جس نے ان کو ستایا بیشک اس نے مجھے ستایا۔ تلملا اٹھتی ہیں اور بے ساختہ زبان سے واکرب ابتاہ. ہائے میرے پیارے باپ کی بے چینی۔ نکلتا ہے اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بغرض تسلی ودلاسا فرماتے ہیں: اسی طرح وفات اور تجہیز وتکفین کے بعد کے بے ساختہ حزنیہ کلمات' یہ سب کمال رافت ورحمت کا تقاضا ہیں اور عنداللہ مطلوب ہیں اگر عزیز ترین ہستی کی وفات پر یہ فطری تاثر اور ان حزنیہ کلمات کا اظہار نہ ہو تو یہ ''قسوۂ قلبی'' اور سنگدلی کی دلیل ہے جو ہرگز بشریت کا تقاضا نہیں ہوسکتی' اور عنداللہ رحمت الٰہی سے محرومی کا موجب ہے۔

بے ساختہ آنسو صبر کے منافی نہیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حبیب بن حبیب (محبوب کے محبوب) آزاد کردہ غلام حضرت اسامہ بن زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی (حضرت زینب رضی اللہ عنہا) نے آپ کے پاس پیغام بھیجا کہ میرا بچہ نزع کی حالت میں ہے' ذرا آپ تشریف لے آئیں (ہم لوگوں کو تسلی ہو جائے گی) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس اندوہناک منظر اور ان کی تکلیف کو بچشم خود دیکھنے سے بچنے کی غرض سے) پیغام بھیجا: رسول اللہ سلام فرماتے ہیں اور ارشاد فرماتے ہیں (دختر عزیز!) بیشک جو اللہ تعالیٰ نے لے لیا وہ بھی اسی کا ہے اور جو دیا تھا وہ بھی اسی کا تھا اللہ تعالیٰ کے ہاں ہر چیز کا وقت مقرر ہے تم صبر کرو اور اس صبر پر اللہ سے) اجر کی امید رکھو'' (مرضی مولیٰ از ہمہ اولیٰ) اس پر انہوں نے پھر پیغام بھیجا: اور بقسم درخواست کی کہ آپ اس وقت ہمارے پاس ضرور ضرور تشریف لائیں'' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سعد بن عبادۃ' معاذ بن جبل' ابی بن کعب' زید بن ثابت اور چند سر برآوردہ انصاری صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ اٹھ کر چلے اور صاحبزادی صاحبہ کے مکان پر پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بچہ کو پیش کیا گیا آپ نے اس کو گود میں لے لیا بچہ کا گھونگرو بول رہا تھا (اور سانس رک رک کر آرہا تھا) یہ کیفیت دیکھ کر آپ کی مقدس آنکھوں سے بے ساختہ آنسو بہہ پڑے تو اس پر حضرت سعد بولے: یہ کیا یا رسول اللہ (یہ آنسو کیسے)؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا: یہ جذبۂ ترحم ہے (اے سعد!) جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں میں ودیعت فرمایا ہے'' اور ایک روایت میں ہے: ''اپنے جن بندوں کے دلوں میں چاہا ودیعت فرما دیا ہے'' اور (یاد رکھو) رحم کرنے والوں ہی پر اللہ تعالیٰ بھی رحم فرماتے ہیں۔

حضرت سعد کا جواب

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

رحم کرنے والوں ہی پر رحمٰن بھی رحم فرماتا ہے تم زمین والوں پر رحم کرو تو تم پر آسمان والا بھی رحم کرے گا۔

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے آنکھوں سے آنسو نکلنے اور بغیر آواز کے رونے' کو بھی صبر کے خلاف خصوصاً آپ کی جلالت شان کے منافی سمجھ کر سوال کیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس غلط فہمی کو دور فرماتے ہیں کہ رحم اور ترحم تو اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی خوش آئند نعمت ہے رحمت اور اسم جلالت الرحمٰن (بہت بڑا رحم کرنے والا) کا مظہر ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مظہر کمالات' مقدس ذات گرامی' عالم بشریت میں اسماء وصفات الٰہیہ کا مظہر اتم (کامل ترین مظہر ہے) اس لئے یہ رنج وغم اور صدمہ اور اس پر بے ساختہ نکلنے والے آنسو' نہ صبر کے منافی ہیں اور نہ آپ کی شان کے' صبر کے منافی چیخنا چلانا' دھاڑیں مار کر رونا' بین کرنا' کپڑے پھاڑنا' بال نوچنا' منہ یا سینہ پیٹنا وغیرہ جاہلانہ رسوم ہیں جو نہ صرف شرعاً ممنوع اور حرام ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور غصہ کا موجب بھی ہیں۔

صبر کی ایک اہم شرط

عن انس رضی الله عنه قال مر النبی صلی الله علیه وسلم بامرأة تبکی عند قبر فقال: واتقی الله واصبری ....(بخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک عورت کے پاس سے گزرے جو ایک قبر پر (جاہلیت کی رسم کے مطابق) رو رہی تھی (اور بین کر رہی تھی) تو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (نیک بخت عورت!) خدا سے ڈر اور صبر کر" تو اس (نادان) عورت نے کہا: ہٹ پرے نہ تجھ پر میری جیسی مصیبت پڑی ہے نہ تو اس سے واقف ہے (جب ہی تو مجھے نصیحت کر رہا ہے) اس عورت نے (شدت غم واندوہ میں) آپ کو نہ پہچانا تو لوگوں نے اس سے کہا: (بیوقوف عورت!) یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو وہ عورت (سٹپٹا گئی اور) آپ کے دروازہ پر (دوڑی) آئی مگر وہاں اس نے نہ کوئی دربان پایا نہ پاسبان (تو وہ حیران رہ گئی اس نے سمجھا تھا کہ بادشاہوں اور حکمرانوں کی طرح آپ کے دروازے پر جنے کتنے دربان و پاسبان ہوں گے بہرحال) اس عورت نے عرض کیا: حضور! میں نے آپ کو پہچانا نہ تھا (آپ میری گستاخی معاف کر دیجئے) تو آپ نے فرمایا! صبر تو صرف وہی ہے جو صدمہ پڑتے ہی کیا جائے (اب کیا ہوتا ہے) صحیح مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ اس عورت کا بچہ مر گیا تھا (اس پر) وہ رو رہی تھی (اور بین کر رہی تھی)

صبر کی اس اہم شرط کی وجہ

اس حدیث پاک میں رہبر عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صبر کی ایک اہم شرط اور انسانی فطرت کی ایک اہم خصوصیت کی طرف رہنمائی فرمائی ہے اور وہ یہ ہے کہ بڑے سے بڑے ناقابل برداشت صدمہ اور غم کو بھی انسان وقت گزرنے پر بھول جایا کرتا ہے مرور وقت کو صدمہ اور غم کے بہلا دینے یا قابل برداشت بنا دینے میں بڑا دخل ہے صدمہ پڑنے کے بعد جوں جوں زمانہ گزرتا جاتا ہے صدمہ اور غم کا ناقابل برداشت بوجھ ہلکا اور قابل برداشت ہوتا جاتا ہے اور پھر یا بالکل بھول جاتا ہے یا معمولی سی بات بن کر رہ جاتا ہے لہٰذا وہ صبر جس پر اللہ تعالیٰ نے بیکراں اجر وثواب کا وعدہ فرمایا ہے اور جو اولوالعزم انبیاء ورسل کا "شعار" ہے وہ صرف وہی ہے جو صدمہ پڑتے ہی کیا جائے اور شدید ترین احساس غم واندوہ کے باوجود محض اللہ مالک ملک کی رضا اور خوشنودی کے لئے کیا جائے۔

صبر کا ایک اہم مقام اور اس کی جزا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میں اپنے جس مومن بندے کی دنیا میں سب سے زیادہ عزیز ہستی (مثلاً اکلوتے بیٹے) کو جب اس سے چھین لوں اور وہ اس پر (بنیت اجر وثواب) صبر اختیار کرے تو اس (سراپا تسلیم) مومن بندے کے لئے میرے پاس جنت کے سوا اور کوئی جزائے خیر نہیں ہے۔

صبر کی حقیقت کا ایک پہلو

حدیث میں لفظ ثم احتسبہ آیا ہے' عربی میں احتساب کا لفظ "حسبان" سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں سمجھنا' گمان کرنا' لہٰذا کلام نبوت علی صاحبہ الصلوٰۃ والتسلیم میں احتساب کے معنی ہیں کسی دشوار اور بامشقت کام کو اجر وثواب کا موجب سمجھ کر اختیار کرنا یہی صبر کی عند اللہ مطلوب حقیقت ہے۔

صبر کا ایک اور اہم مرتبہ اور اس کی جزاء عظیم

وعن عائشة رضی الله عنها انها سألت رسول الله صلی الله علیه وسلم عن الطاعون فاخبرها انهٗ كان عذابًا يبعثه الله تعالٰى علٰى من يشآء فجعله الله تعالٰى رحمةً للمؤمنين (رياض الصالحين)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ: انہوں نے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ''طاعون'' کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے بتلایا: یہ (طاعون میری امت سے پہلے) اللہ تعالیٰ کا ایک عذاب تھا جس (سرکش و نافرمان) قوم پر اللہ تعالیٰ چاہتا تھا اس کو مسلط فرما دیتا تھا۔

اس امت کی خصوصیت

لیکن میری امت کے اہل ایمان کے لئے اللہ تعالیٰ نے اسی طاعون کو ایک رحمت کا ذریعہ بنادیا چنانچہ جو بھی اللہ تعالیٰ کا مومن بندہ طاعون کی وبا میں گھر جائے اور صبر وضبط کے ساتھ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے) بنیت اجر وثواب اپنی (طاعون زدہ) بستی میں مقیم رہے اس یقین کے ساتھ کہ مجھ پر وہی مصیبت آ سکتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے مقدر کر دی ہے (اگر میرا اس مرض میں مبتلا ہونا مقدر نہیں ہے تو میں ہرگز ہرگز بیمار نہ ہوں گا اور اگر مقدر ہے تو ہرگز نہیں بچ سکتا چاہے اس بستی میں رہوں چاہے نہ رہوں پھر یہاں سے بھاگنے سے کیا فائدہ) تو اس (صبر وضبط اور یقین وایمان پر اس) کا اجر وثواب شہید کے اجر کی مانند ہوگا (اور اس طرح یہ طاعون اس کے لئے باعث رحمت بن جائے گا)۔

تشریح! اجر عظیم کی وجہ اور شریعت کا حکم

شریعت کا حکم بھی یہی ہے کہ جس بستی میں طاعون پھیلا ہوا ہو کوئی مسلمان طاعون کے ڈر سے اس بستی سے ہرگز نہ بھاگے اگرچہ اسی کیساتھ یہ بھی حکم ہے کہ جس بستی میں طاعون یا اور کوئی وبائی بیماری پھیلی ہوئی ہو بغیر کسی شدید ضرورت یا مجبوری کے وہاں نہ جانا چاہئے اصل یہ ہے کہ نہ صرف دنیا کی ان قوموں میں جو اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں رکھتیں بلکہ ضعیف الایمان مسلمانوں میں بھی بیمار سے چھوت چھات اور ایک کی بیماری دوسرے کو لگ جانے کا عقیدہ راسخ ہو چکا ہے۔

اسلام میں چھوت چھات کی کوئی حقیقت نہیں

اسلام نے بڑی شدت کے ساتھ اس بیماری کے لگنے کی تردید کی ہے قرآن عظیم کی تعلیم یہ ہے کہ:

ہرگز ہرگز نہیں آئے گی ہم پر کوئی مصیبت بجز اس کے جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے لکھ دی ہے اور اللہ پر ہی بھروسہ کرنا چاہئے ایمان والوں کو

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

نہ اسلام میں بیماری لگنے کی کوئی حقیقت ہے نہ بدشگونی کی۔

لہٰذا ایک خدا پر پختہ ایمان لانے والے مسلمان سے قطعاً بعید ہے کہ وہ کسی طاعون زدہ بستی سے بھاگے یا طاعون کے مریض کی عیادت کو نہ جائے۔

وبا پھیلی ہوئی میں نہ جانے کے حکم کی وجہ

باقی دوسرے حکم کا مقصد صرف مسلمان کے عقیدہ کو خراب ہونے سے بچانا ہے کہ اگر کوئی مسلمان کسی طاعون زدہ بستی میں چلا گیا اور وہاں چلے جانے کی وجہ سے نہیں بلکہ قضاء الٰہی سے بیمار ہو گیا تو خدانکردہ وہ یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ اس بستی میں آنے کی وجہ سے میں بیمار ہوا نہ یہاں آتا نہ بیمار ہوتا حالانکہ جب اس کے

مقدر میں تھا کہ وہ اس مرض میں گرفتار ہوگا تو چاہے یہاں آتا یا نہ آتا ضرور بیمار ہوتا جیسا کہ مذکورہ بالا آیت کریمہ سے ظاہر ہے بہرحال طبعی طور پر طاعون زدہ بستی سے نہ بھاگنا بڑے دل جگرے کا کام ہے اور صبر واستقلال اور ایمان کی پختگی کی دلیل ہے اسی لئے اس کا اجر وثواب شہید کے برابر ہے۔

شہید کے برابر ثواب ملنے کی وجہ

اس لئے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید ہونے والا موت کی پرواہ کئے بغیر میدان جنگ یعنی "موت کے منہ" میں چلا جاتا ہے اسی طرح یہ شخص بھی موت کی پرواہ کئے بغیر اس طاعون زدہ بستی میں مقیم رہتا ہے اور بیماروں کی تیمارداری یا عیادت کر کے گوناگوں اجر وثواب سمیٹتا ہے باقی موت تو جب آنی ہوگی' آ کر رہے گی' کہیں بھی ہو وہ کسی طرح نہیں ٹل سکتی پھر اجر وثواب سے خود کو محروم کرنا سراسر حماقت اور ضعف ایمان کا نتیجہ ہے۔

اس زمانہ کی جہالت

اس ترقی یافتہ دور میں خصوصاً تعلیم یافتہ طبقہ میں "بیماری لگنے" یا کہئے "بیماری کے جراثیم" لگ جانے کا ہوا بری طرح دماغوں پر مسلط ہے بیمار کا تو ذکر ہی کیا تندرست لوگ بھی ایک دوسرے کے گلاس تک میں پانی نہیں پیتے حد یہ ہے کہ بعض خردماغ لوگ تو ہسپتال کے پاس سے گزرتے ہوئے ڈرتے ہیں کہ سانس کے ذریعہ مریضوں کے جراثیم منہ اور ناک میں گھس جائیں گے یہ کیفیت نہ صرف ایمان باللہ کے ضعف کی' بلکہ اعلیٰ درجہ کی حماقت اور جہالت کی دلیل ہے حالانکہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مومن کے جھوٹے کو "شفا" بتلایا ہے برا ہو جہالت کا۔

دُعا کیجئے

اے اللہ! ہمارے دل کو نفاق سے عمل کو ریا سے زبان کو جھوٹ سے اور آنکھ کو خیانت سے پاک فرما دیجئے کیونکہ آپ آنکھوں کی چوری اور جو کچھ دل چھپاتے ہیں جانتے ہیں۔

اے اللہ! علم سے ہماری مدد فرما اور حلم سے ہمیں آراستہ فرما اور پرہیزگاری سے بزرگی عطا فرما اور امن سے ہمیں جمال عطا فرمائیے۔

اے اللہ! ہم آپ سے اپنے دین میں' دنیا میں اور اہل وعیال میں معافی اور امن کا سوال کرتے ہیں۔

اے اللہ! ہم ناپسندیدہ اخلاق اور اعمال نفسانی خواہشوں اور بیماریوں سے آپ کی پناہ مانگتے ہیں۔

اے اللہ! ہم ناپسندیدہ اخلاق اور اعمال نفسانی خواہشوں اور بیماریوں سے آپ کی پناہ مانگتے ہیں۔

اے اللہ! ہم آپ سے اپنے دین میں' دنیا میں اور اہل وعیال میں معافی اور امن کا سوال کرتے ہیں۔

صبر کا ایک اور اہم مقام اور اس کا اجر عظیم

وعن انسٍ رضی اللہ عنہُ قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: ان اللہ عزوجل قال: اذا بتلیت عبدی بحبیبتیہ فصبر عوضتہُ منھما الجنۃ، یرید عینیہ. (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سنا آپ فرمارہے تھے: اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے جب میں اپنے کسی بندے کی دونوں محبوب ترین چیزیں یعنی آنکھیں (اس کے صبر وضبط کی آزمائش کیلئے) لے لیتا ہوں اور وہ اس پر صبر کرتا ہے (اور راضی برضا مولیٰ زندگی بسر کردیتا ہے) تو میں اس کو ان کے عوض جنت ہی دیتا ہوں۔

تشریح! اس اجر عظیم کی وجہ اور ہماری حالت

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ایک صابر وشاکر نابینا بندے کی اللہ تعالیٰ کے ہاں کتنی قدر ومنزلت ہے مگر برا ہو ہماری اس نخوت پرستی کا کہ ہم عام طور پر ایک نابینا مسلمان کو حقیر وخوار انسان سمجھتے ہیں اس کا احترام تو کجا اس کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا شادی بیاہ بھی گوارا نہیں کرتے اگر اس کی کسی طرح کی امداد کرتے ہیں تو اپنے سے حقیر اور کمتر سمجھ کر حالانکہ اس حدیث کی روشنی میں وہ بڑی عزت واحترام کا مستحق ہے آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ ایک مومن نابینا عبداللہ بن ام مکتومؓ سے بے اعتنائی" برتنے پر۔ حالانکہ وہ ایک خالص دینی مصلحت کے تحت تھی پھر بھی اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کتنا عتاب فرمایا کہ پوری سورت عبس نازل فرمادی چنانچہ اس کے بعد جب بھی آپ کی خدمت میں وہ آتے تو آپ عاتبنی فیہ ربی. یہ وہ شخص ہے جس کے بارے میں میرے رب نے مجھ پر عتاب فرمایا۔ فرما کر "خوش آمدید" کہا کرتے تھے اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

جنتی عورت

عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ: (ایک دن) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے مجھ سے کہا کیا تم جنتی عورت کو دیکھنا پسند نہ کروگے؟ میں نے عرض کیا کیوں نہیں؟ کہنے لگے: دیکھو یہ سیاہ فام عورت جنتی ہے یہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ پر مرگی کے دورے پڑتے ہیں اور اس دورہ کی حالت میں میرا بدن کھل جاتا ہے (مجھے برہنگی کے گناہ میں پکڑے جانے کا ڈر ہے) آپ میرے لئے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس موذی مرض سے نجات دے دے آپ نے فرمایا تو چاہے تو اس (لاعلاج) بیماری پر صبر کر، اور اس صبر کے صلہ میں جنت لے لے اور تو چاہے تو میں تیرے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کروں کہ تجھے اس مرض سے نجات دے دے" اس عورت نے عرض کیا میں (بخوشی) صبر کرتی ہوں پھر عرض کیا تو اسکے لئے تو دعا فرمادیجئے کہ میرا بدن (دورہ کے وقت) نہ کھلے تو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لئے دعا فرمادی۔

دُعا کیجئے: اے اللہ! ہم ناپسندیدہ اخلاق اور اعمال نفسانی خواہشوں اور بیماریوں سے آپ کی پناہ مانگتے ہیں۔

صبر کا ایک اور اہم مقام اور ایک سبق آموز واقعہ

ترجمہ: اس سیاہ فام جنتی عورت کا خوف وخشیت دیکھنے اور سبق لینے کے قابل ہے مرگی جیسے موذی اور روح فرسا مرض کی اذیت اور تکلیف سے بچنے کی غرض سے اچھا ہونے کی دعا نہیں کرانا چاہتی بلکہ برہنگی کے گناہ اور معصیت سے بچنے کی غرض سے تندرست ہونے کی دعا کرانا چاہتی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے اسی جذبہ کو محسوس فرما کر اسے اختیار دیا کہئے صبر کرنے کی تلقین فرمائی چنانچہ اس نے دنیا کی چند روزہ تکلیف برداشت کرنے اور اس کے عوض جنت یعنی ابدی مقام قرب ورضا الٰہی میسر آنے کو تندرست ہونے پر ترجیح دی اور پھر برہنگی کے گناہ اور عار سے بچنے کی غرض سے صرف دورہ کے وقت بدن نہ کھلنے کی دعا کرائی رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے اس خوف کو دور کرنے کے لئے بدن نہ کھلنے کی دعا فرمادی جو یقیناً مقبول ہوئی ہوگی تا کہ وہ مطمئن ہو جائے ورنہ تو ایسی بے ہوشی کی حالت میں بے اختیار بدن کھل جانا نہ گناہ ہے نہ معصیت۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کے دل میں ایسا ہی خوف وخشیت پیدا فرمادیں۔

صبر کا ایک اور اہم مقام اور ایک سبق آموز واقعہ

اس سیاہ فام جنتی عورت کا خوف وخشیت دیکھنے اور سبق لینے کے قابل ہے مرگی جیسے موذی اور روح فرسا مرض کی اذیت اور تکلیف سے بچنے کی غرض سے اچھا ہونے کی دعا نہیں کرانا چاہتی بلکہ برہنگی کے گناہ اور معصیت سے بچنے کی غرض سے تندرست ہونے کی دعا کرانا چاہتی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے اسی جذبہ کو محسوس فرما کر اسے اختیار دیا کہئے صبر کرنے کی تلقین فرمائی چنانچہ اس نے دنیا کی چند روزہ تکلیف برداشت کرنے اور اس کے عوض جنت یعنی ابدی مقام قرب ورضا الٰہی میسر آنے کو تندرست ہونے پر ترجیح دی اور پھر برہنگی کے گناہ اور عار سے بچنے کی غرض سے صرف دورہ کے وقت بدن نہ کھلنے کی دعا کرائی رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے اس خوف کو دور کرنے کے لئے بدن نہ کھلنے کی دعا فرمادی جو یقیناً مقبول ہوئی ہوگی تا کہ وہ مطمئن ہو جائے ورنہ تو ایسی بے ہوشی کی حالت میں بے اختیار بدن کھل جانا نہ گناہ ہے نہ معصیت۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کے دل میں ایسا ہی خوف وخشیت پیدا فرمادیں۔

انبیاء علیہم السلام کے صبر کا امتحان

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: میری آنکھوں کے سامنے ہے وہ منظر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں سے ایک نبی کا واقعہ بیان فرمار ہے تھے کہ اس (رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم) نبی کو اس کی قوم نے مارتے مارتے لہولہان کر دیا اور وہ (اولوالعزم) نبی اپنے چہرہ سے خون پونچھتا جارہا تھا اور کہہ رہا تھا: اے اللہ! تو میری قوم کے اس گناہ کو معاف کر دے یہ نادان'' ہیں جانتے نہیں (کسی خلاصۂ کائنات ہستی پر دست درازی کرر ہے ہیں)

یہ اولوالعزم نبی کون ہیں

یہ نبی خود رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور یہ واقعہ جو نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی بے مثل فراخ حوصلگی بلند ہمتی اور صبر کی روشن دلیل ہے طائف میں اس وقت پیش آیا جب آپ مکہ سے اہل طائف کو اسلام کی دعوت دینے کی غرض سے تشریف لے گئے تھے تفصیلات ''سیرت'' کی کتابوں میں ضرور پڑھیئے ایمان تازہ ہوگا۔

دُعا کیجئے: یا اللہ! موجودہ دور میں ہمیں دین اسلام پر مضبوطی سے کاربند فرما اور غیر اسلامی تہذیب کے اثرات سے ہمیں اور ہماری نسلوں کی حفاظت فرما۔ آمین

معمولی تکلیف پر صبر کرنا بھی خطاؤں کا کفارہ

وعن ابی سعیدٍ وابی هريرة رضی الله عنهما عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: ما يصيب المسلم من نصبٍ ولا وصبٍ ولا همٍ ولا حزنٍ ولا اذًى ولا غمٍ حتى الشوكة يشاكها الا كفر الله بها من خطاياه. متفق علیه

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ: آپ نے فرمایا: مسلمان کسی بھی مشقت وتعب میں، دکھ بیماری، فکر و پریشانی میں، غم واندوہ میں یا تکلیف واذیت میں گرفتار ہو یہاں تک کہ کوئی کانٹا بھی لگ جائے اور وہ اس پر صبر کرے تو اللہ تعالیٰ اس (تکلیف یا مصیبت) کو اس کی خطاؤں کا کفارہ بنا دیتے ہیں۔

معمولی معمولی چیزوں پر صبر کرنے کا فائدہ

اس حدیث پاک کے تحت ہر معمولی سے معمولی مصیبت یا تکلیف بھی ثواب کی نیت سے اس پر صبر وضبط اختیار کرنے کی صورت میں مسلمان کے لئے رحمت بن جاتی ہے یعنی خطاؤں کا کفارہ بن جاتی ہے اور صبر کرنے کا مستقل ملکہ اور عادت پیدا ہونے کا سبب بنتی ہے۔ اس حدیث پاک میں اسی بناء پر معمولی سے معمولی دکھ تکلیف یا مصیبت پر صبر کی ترغیب دی گئی ہے اس لئے انسان کا فرض ہے کہ ہر چھوٹی بڑی مصیبت یا تکلیف جونہی پیش آئے قرآن کریم کی تعلیم کے تحت فوراً اس پر انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھے گناہوں سے توبہ واستغفار کرے اور صبر وضبط کے ساتھ جائز تدابیر اختیار کرے انشاء اللہ بہت جلد رستگاری نصیب ہوگی اور گناہوں کے کفارہ میں تو کوئی شک ہی نہیں۔

صبر کرنے سے خطائیں اور گناہ معاف

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: میں (ایک مرتبہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (کی مزاج پرسی کیلئے) حجرۂ مبارک میں داخل ہوا آپ کو بڑے زور کا بخار چڑھا ہوا تھا میں نے (جسم مبارک پر ہاتھ لگا کر بخار کی شدت کو محسوس کیا تو) عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کو تو بڑی شدت کا بخار چڑھا ہوا ہے تو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے تو بخار بھی تم میں کے دو آدمیوں کے برابر زور کا چڑھتا ہے'' میں نے عرض کیا: جی ہاں اسی لئے تو آپ کا اجر بھی دگنا ہے آپ نے فرمایا: ٹھیک ہے (اس کے بعد) آپ نے ارشاد فرمایا: جو مسلمان کسی بھی تکلیف میں مبتلا ہو چاہے کانٹا یا اس سے بھی کمتر کوئی چیز چبھ جائے (اور وہ بنیت اجر وثواب اس پر صبر کرے) تو اللہ تعالیٰ اس تکلیف کو اس کی خطاؤں کا کفارہ بنا دیتے ہیں اور اس کے گناہ اس طرح جھڑ جاتے ہیں جیسے (موسم خزاں میں) درخت کے پتے گر جایا کرتے ہیں۔

صبر کا امتحان رتبہ کے اعتبار سے

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر مرض اور دکھ بیماریوں کی یہ دو چند سہ چند شدت آپ کے غایت قرب الٰہی اور عنداللہ بلند ترین مرتبہ پر فائز ہونے پر مبنی ہے چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ آپ سے سوال کیا گیا کہ سب سے زیادہ سخت آزمائش کس کی

ہوتی ہے؟ تو آپ نے فرمایا:

اشدالناس بلآء الانبیآء ثم الامثل فالامثل یبتلی الرجل علی حسب دینه فان کان فی دینه صلباً اشتدبلآء ہ وان کان فی دینه رقیقاً هون علیه.

سب سے زیادہ سخت آزمائش نبیوں کی ہوتی ہے اس کے بعد جو ان سے ملتے جلتے ہوں پھر جو ان سے ملتے جلتے ہوں آدمی کی آزمائش اس کے دین کے اعتبار سے ہوتی ہے پس اگر وہ دین میں پختہ اور محکم ہوتا ہے تو اس کی آزمائش بھی سخت ہوتی ہے اور اگر وہ دین میں نرم اور کمزور ہوتا ہے تو اس پرآسانی کی جاتی ہے (اس لئے کہ یہ آزمائش اور مصیبتوں میں گرفتاری تو اس کے درجے بلند کرنے کے لئے ہوتی ہے)

موت کی شدت بھی صبر کا امتحان

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جب کسی کو آسانی سے مرتا دیکھتیں تو اس پر رشک کرتیں موت کی شدت اور سکرات موت کی تکلیفوں کو خدا کا عذاب سمجھتی تھیں اور موت کی سہولت اور آسانی کو اللہ تعالیٰ کی قابل رشک رحمت سمجھتی تھیں مگر جب انہوں نے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی سکرات موت کی شدت کا عالم بچشم خود دیکھا تو ان کو اپنی کوتاہ فہمی کا احساس ہوا اور اس کے بعد فرماتی ہیں۔

مآ اغبط احداً بهون موته بعد الذی رایت من شدة موت رسول الله صلی الله علیه وسلم.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شدت موت کی کیفیت دیکھ لینے کے بعد اب میں کسی کی موت کی آسانی پر رشک نہیں کرتی۔

ایک شبہ کا ازالہ

اس حدیث کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ موت کی سہولت اور آسانی اللہ کی ''رحمت'' نہیں ہے اس لئے کہ مسنون دعاؤں میں موت کی سختی سے پناہ مانگنے اور موت کی آسانی کی دعا مانگنے کا ذکر آتا ہے یہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے صبر کی آخری آزمائش تھی باقی اور انبیاء اکرام علیہم الصلوٰۃ والسلام میں سے حضرت ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا صبر تو ضرب المثل ہے قرآن کریم میں ان کی بیماریوں مصیبتوں اور ان پر صبر کا حال تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔

دُعا کیجئے

یا اللہ! ہمیں اپنی اتنی محبت عطا فرما کہ آپ کے احکامات اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک سنتوں پر چلنا ہمارے لئے نہایت سہل ہو جائے۔

یا اللہ! ہم کو اپنی عبادات وطاعات خاصہ کی توفیق، اپنے نبی الرحمۃ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کی توفیق فرمائیے۔

یا اللہ! یا اللہ لغزشوں سے نفس وشیطان کے مکائد سے ہم کو محفوظ فرمائیے۔

یا اللہ! مجبوراً معاشرہ کے غلبہ سے اور نفس وشیطان کے غلبہ سے ہم سے جو فسق و فجور کے کام ہوئے ہیں ہم ان سے نفرت کرتے ہیں اور چھوڑ دینے کا عزم کرتے ہیں۔ مگر ڈرتے ہیں کہ پھر ہم سے ان کا ارتکاب ہو جائے گا۔ یا اللہ آپ ہی محافظ حقیقی ہیں۔ رحم کرنے والے ہیں ہم پر رحم فرمائیے، ہمیں محفوظ رکھئے اور اپنا مورد رحمت بنالیجئے۔

مصیبتیں مومن کیلئے باعث خیر ہیں

وعن ابی هريرة رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله عليه وسلم: من يرد الله به خيرًا يصب منه. (رواه البخاری)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص کو اللہ تعالیٰ کوئی خیر پہنچانا چاہتے ہیں (یعنی بلند مرتبہ عطا فرمانا چاہتے ہیں) اسے کسی مصیبت میں گرفتار کر دیتے ہیں۔

مصیبتیں کن لوگوں کیلئے درجات کا باعث

یہ اللہ کے وہی نیکوکار بندے ہوتے ہیں جن کے مصیبت میں گرفتار ہونے کا بظاہر کوئی سبب گناہ وغیرہ نظر نہیں آتا انتہا درجہ کے نیکوکار اور پرہیز گار ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی نیکوکاری سے خوش ہو کر جنت میں جو اعلیٰ درجات ان کو دینا چاہتے ہیں ان کو حاصل کرنے کیلئے جہاں اور نیک کاموں کی ان کو توفیق دیتے ہیں وہیں مصیبت میں گرفتار کر کے صبر کرنے کی توفیق بھی دے دیتے ہیں تاکہ مرنے سے پہلے وہ ہر اعتبار سے ان درجات کے مستحق ہو جائیں سبحان اللہ کیا شان کریمی ہے رب العالمین کی پڑھیئے **سبحان الله وبحمده سبحان الله العظيم.**

موت کی دعا ہرگز نہ مانگنی چاہئے

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی شخص کسی مصیبت میں گرفتار ہونے کی وجہ سے موت کی تمنا ہرگز نہ کرے زیادہ سے زیادہ یہ دعا کیا کرے اے اللہ تو مجھے اس وقت تک زندہ رکھ جب تک کہ میرے لئے زندہ رہنا بہتر ہو اور جب مرجانا میرے لئے بہتر ہو تو اس وقت مجھے دنیا سے اٹھا لے۔

موت کی دعا کیوں نہ مانگنی چاہئے

عام طور پر لوگ بیماری کی شدت یا درازی سے گھبرا کر موت کی دعا مانگنے لگتے ہیں یہ بڑی نادانی کی بات ہے اس لئے کہ موت کا تو جو وقت مقرر ہے اسی وقت آئے گی موت کی تمنا یا دعا کر کے بلاوجہ اور بلا فائدہ خود کو اجر و ثواب سے محروم کر لیتے ہیں اس سے بڑھ کر خسارہ اور کیا ہو سکتا ہے اسی لئے حدیث شریف میں موت کی تمنا سے سختی سے منع فرمایا ہے اسی کے ساتھ مذکورہ بالا دعا کرنے کی تلقین فرما کر اس طرف بھی اشارہ فرمایا ہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ زندہ رکھیں سمجھنا چاہئے کہ زندہ رہنا ہی ہمارے حق میں بہتر ہے۔

پہلے ایمان والوں پر کیسی کیسی مصیبتیں

حضرت ابو عبداللہ خباب بن ارت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: (ایک مرتبہ) ہم نے (قریش کے وحشیانہ مظالم سے عاجز آ کر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی آپ ہمارے لئے اللہ تعالیٰ سے فتح و نصرت طلب نہیں کرتے؟ (اس ظلم و جور سے رستگاری کی) ہمارے لئے دعا نہیں کرتے؟ آپ اس وقت کعبہ شریف کی دیوار کے سایہ میں اپنی چادر کا تکیہ لگائے (آرام سے) بیٹھے ہوئے تھے (یہ شکوہ سن کر سیدھے ہو بیٹھے اور) فرمایا: (تم ابھی سے تلملا اٹھے؟ ارے) تم سے پہلی امتوں میں تو (خدا پر) ایمان لانے والے شخص کو (ایمان کے جرم میں) گرفتار کیا جاتا پھر اس کے لئے زمین میں قد آدم) گڑھا کھودا جاتا پھر اس مومن کو اس میں کھڑا کیا جاتا تھا (اور مٹی بھر دی جاتی تھی) پھر آرا لایا جاتا پھر اس کے بیچ سر پر رکھا جاتا

اور چیر کر دو ٹکڑے کر دیئے جاتے اور (یا) لوہے کے کنگھیوں سے اس کے بدن کا گوشت ہڈیوں تک کھرچ کر اتار دیا جاتا اور یہ (وحشیانہ مظالم) بھی اس کو اللہ تعالیٰ کے دین و ایمان سے منحرف نہ کر پاتے۔

خدا کا وعدہ اور اس کے پورا ہونے کی خبر

خدا کی قسم اللہ تعالیٰ (کا وعدہ ہے کہ وہ) اس دین کو ضرور بالضرور تمام وکمال کی حد تک پہنچا کر (اور روئے زمین پر پھیلا کر) رہے گا یہاں تک کہ ایک سوار (تن تنہا) صنعا (یمن) سے چل کر حضر موت پہنچ جائے گا اور اس کو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کا ڈر اور خوف نہ ہوگا یا (زیادہ سے زیادہ) بکریوں پر بھیڑیئے کا ڈر ہوگا ایک روایت میں حضرت خبابؓ اس شکایت کا عذر پیش کرتے ہیں ہم قریش کے (بیر حمانہ) سختیوں کا نشانہ بنے ہوئے تھے"۔

اس امت اور پہلی امتوں کی آزمائش میں فرق

پہلی امتوں کے مومنین پر مظالم کا کچھ تذکرہ اجمالی طور پر قرآن کریم اور احادیث میں موجود ہے خندقوں والوں کا قصہ آپ اسی باب میں پڑھ چکے ہیں اور تاریخ خصوصاً بنی اسرائیل کی تاریخ کی کتابیں تو ان قصوں سے بھری پڑی ہیں یہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی سرتاپا رحمت ذات گرامی کا فیض ہے کہ اس امت کے مومنین پر محض ایمان لانے کے جرم میں اس قسم کے لرزہ خیز وحشیانہ مظالم نہیں ہوئے بیشک ابتداء میں قریش نے کچھ وحشیانہ مظالم کئے مگر وہ اس طرح کے لرزہ خیز نہ تھے اور بہت تھوڑی مدت جاری رہے اور وہ بھی چند گنے چنے افراد پر' اور ہر مظلوم مسلمان کو جلد ہی کسی نہ کسی طرح نجات مل گئی الا ماشاء اللہ اسی لئے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس شکوہ پر چیں بجبیں ہوئے اور سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور نصیحت کیساتھ ساتھ صبر کرنے کی تلقین فرما دی بہرصورت مسلمانوں کی مکی زندگی کی تاریخ قریش کے ان مظالم اور مسلمانوں کے ان پر صبر کرنے کی شاہد یہ اس کو ضرور پڑھیئے تا کہ ایمان تازہ ہو۔

عظیم بشارت

حدیث کے آخری حصہ میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانون کو بشارت دے رہے ہیں کہ عنقریب جزیرۃ العرب خدا' رسول اور مسلمانوں کے دشمنوں سے پاک وصاف ہو جائے گا اسلامی حکومت کے قیام اور اس کے نظام عدل وانصاف اور احکام جرم وسزا کے نفاذ کے بعد امن وامان اس قدر عام ہو جائے گا کہ نہ کفار اور دشمنان اسلام کا نام ونشان جزیرۃ العرب میں باقی رہے گا اور نہ کسی جرائم پیشہ چور ڈاکو کی ہمت ہوگی کہ کسی مسلمان کی جان ومال پر دست درازی کر سکے اس لئے کہ اسلام ہر مسلمان یا ذمی۔غیر مسلم رعایا۔کی جان ومال کی سلامتی کی ضمانت دیتا ہے ہاں صرف جنگلوں بیابانوں میں درندے تو باقی رہ جائیں گے جن سے مسافروں کو بچنے کی فکر ہوگی انسان کے جان ومال کا دشمن انسان' کوئی باقی نہ رہے گا چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے پہلے ہی جزیرۃ العرب کافر ومشرک کے وجود سے پاک ہو گیا تھا صرف کچھ یہودی اور نصرانی جزیہ (ٹیکس) ادا کر کے اسلامی حکومت کی رعایا کے طور پر رہ گئے تھے سو آپ نے وفات سے پہلے وصیت فرما دی تھی **اخرجوا الیھود والنصاریٰ من جزیرۃ العرب** (جزیرۃ العرب سے یہود ونصاریٰ کو ضرور نکال دینا) چنانچہ عہد فاروقی ہی میں یہ وصیت اس طرح پوری کی گئی کہ اس وقت سے اس وقت تک کوئی غیر مسلم جزیرۃ العرب میں مستقل سکونت اختیار نہ کر سکا آج بھی اسلامی حکومت کے اجازت نامے (ویزا) کے بغیر کوئی کافر حجاز میں داخل نہیں ہو سکتا مستقل سکونت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی بے مثل صبر وضبط کا ایک واقعہ

وعن ابن مسعود رضي الله عنه قال: لما كان يوم حنين اثر رسول الله صلى الله عليه وسلم ناسا في القسمة فاعطى الاقرع بن حابس مائة من الابل، واعطى عيينة بن حصن مثل ذلك، واعطى ناساً من اشراف العرب، واثرهم يومئذ في القسمة (رياض الصالحين)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ جب (فتح مکہ کے بعد) جنگ حنین کا واقعہ پیش آیا اور اللہ تعالیٰ نے وقتی شکست کے بعد شاندار فتح نصیب فرمادی اور بے شمار مال غنیمت فاتحین کے ہاتھ آیا) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت کی تقسیم میں (شرعی مصلحت کے تحت) بعض لوگوں کو (جو فتح مکہ کے وقت ہی مسلمان ہوئے تھے اور ابھی مسلمان ہوئے ایک مہینہ بھی نہ گزرا تھا' تالیف قلوب کے طور پر) ترجیح دی چنانچہ (ایک نومسلم قبیلہ کے سردار) اقرع بن حابس کو سواونٹ دیئے عیینہ بن حصن کو بھی اتنے ہی (سواونٹ) دیئے اور ان دونوں (سرداران قبائل) کے علاوہ اور بھی عرب (قریش) سرداروں کو (اسی طرح گرانقدر مال غنیمت) دیا اور ان (نو سرداران قبائل) کو اس تقسیم پر (پرانے مسلمان انصار ومہاجرین پر) ترجیح دی تو ایک (گستاخ) شخص بولا: خدا کی قسم نہ اس (مال غنیمت کی تقسیم) میں انصاف کیا گیا ہے اور نہ یہ تقسیم اللہ کے لئے کی گئی ہے (بلکہ اپنی قوم قریش کو خوش کرنے کے لئے یہ تقسیم کی گئی ہے) تو عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں۔ میں نے اپنے دل میں کہا: بخدا میں اس (گمراہ کن پروپیگنڈے) کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ضرور دوں گا چنانچہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور جو اس شخص نے کہا تھا آپ کو اس کی اطلاع دی (کہ فلاں شخص نے یہ کہا ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ مبارک (یہ سن کر ایک دم غصہ کے مارے کندن کی طرح) سرخ ہو گیا پھر (قدرے سکون کے بعد) ارشاد فرمایا تو پھر اور کون انصاف کرے گا جب اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول بھی انصاف نہ کریں گے (یعنی انصاف اور محل انصاف کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے بڑھ کر کوئی نہیں سمجھ سکتا جب اس دریدہ دہن شخص کے بقول اس تقسیم میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے انصاف نہیں کیا تو اور دنیا میں کون انصاف کر سکتا ہے حقیقت صرف یہ ہے کہ اس شخص کو کچھ نہیں ملا اس لئے یہ بکواس کر رہا ہے اس کے بعد سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ہزاروں ہزار رحمت فرمائیں بیشک ان کو تو (ان کی امت کی جانب سے) اس سے بہت زیادہ ایذائیں پہنچائی گئی ہیں مگر انہوں نے ہمیشہ صبر وضبط سے کام لیا (اور کوئی انتقامی کارروائی نہیں کی اسی طرح ہمیں بھی صبر وضبط سے کام لینا چاہئے) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ آپ کی اس اذیت کو دیکھ کر اس اطلاع دینے پر بہت پچھتائے اور انہوں نے (دل میں) کہا کہ آئندہ میں ہرگز ہرگز کوئی تکلیف دہ بات آپ کی خدمت میں پیش نہ کروں گا۔

تشریح: حدیث کے ترجمہ میں ہم قوسین (بریکٹ) کے درمیان واضح کر چکے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان نومسلم قبائل اور ان کے سرداروں کو مال غنیمت کی تقسیم میں قدیم ترین مہاجر وانصار غازیوں پر فوقیت اور ترجیح محض دینی مصلحت اور شرعی حکم تالیف القلوب (نومسلموں کی دلجوئی) کے تحت دی تھی چنانچہ قرآن کریم میں مولفۃ القلوب کی ایک مستقل قسم مذکور

ہے اس لئے آپ چاہتے تو رسول ثقلین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلاف اس گمراہ کن پروپیگنڈہ کرنے والے کو سزا دے سکتے تھے مگر نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حکم:

اور صبر کرو (اے نبی) جیسے اولوالعزم رسولوں نے صبر کیا ہے کے تحت صبر وضبط سے کام لیا اور حضرت موسیٰ کا واقعہ یاد کر کے اپنی اذیت اور غم وغصہ کو تسکین دی۔

قرآن کریم میں حضرت موسیٰ کی ایذا کا ذکر

اور حضرت موسیٰ کی ایذا رسانی خود ان کی زبانی قرآن کریم میں مذکور ہے ارشاد ہے۔

اور جب کہ (حضرت) موسیٰ نے اپنی (موذی) قوم سے کہا: تم یہ جانتے ہوئے کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجا ہوا تمہارا رسول ہوں، مجھے کیوں ایذا پہنچاتے ہو؟

امت کو ایذاءِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بچنے کی تاکید

اسی لئے امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو قوم موسیٰ علیہ السلام کی طرح رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچانے سے منع فرمایا ہے۔

اے ایمان والو! تم ان لوگوں کی طرح (موذی) مت بنو جنہوں نے موسیٰ کو ایذا پہنچائی اور ایذاء رسول کی شدید ترین سزا کا بھی اعلان کیا ہے۔ بیشک وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچاتے ہیں۔

ایذاءِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیا میں سزا

مگر اس کے باوجود بعض اشقیاءِ امت ایذاءِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتکب ہو کر ابدی ہلاکت میں گرفتار ہوئے ہیں یہ شقی ازلی وہی منافق ہے جس کی اولاد اور پیرو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کی پیشگوئی کے مطابق عالم اسلام کے لئے ایک عظیم اور ہلاکت خیز داخلی فتنہ کے موجب بنے ہیں اور تاریخ میں خوارج کے نام سے مشہور ہوئے ہیں اور تقریباً تین صدی تک امت کے لئے جان لیوا مصیبت بنے رہے ہیں بے شمار مسلمانوں کا بے دریغ خون بہایا ہے مسلمانوں کا قتل وغارت ان کا خاص شیوہ رہا ہے خونریز لڑائیوں کے بعد خدا خدا کر کے امت ان کی بیخ کنی کرنے میں کامیاب ہوئی ہے اس شخص کا نام ذوالخویصرہ تھا حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے رفیق جہاد غازیوں نے جنگ نہروان میں اسے قتل کیا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کو ایذاء پہنچانے کا حکم

یاد رکھئے ایذا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتکب شخص جیسے آپ کی حیات میں کافر اور واجب القتل تھا ایسے ہی آپ کی وفات کے بعد بھی، امت قطعی دلائل کی روشنی میں، ایسے شخص کے کفر اور قتل پر متفق ہے چنانچہ تقریباً ہر دور میں ایسے موذی اور شاتم رسول پیدا ہوتے رہے ہیں اور اسلامی حکومتیں یا غیرت ایمانی کے مالک مسلمان ان کو قتل کرتے اور کیفر کردار تک پہنچاتے رہے ہیں اس ترجمہ کے وقت بھی ایک غیور مسلمان نے ایک سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرنے والے موذی کو حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جذبات سے مشتعل ہو کر قتل کر دیا ہے اور سندھ میں اس پر مقدمہ چل رہا ہے اور کابل میں امیر کابل کے شاتم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کی سزا دینے کا واقعہ تو مشہور ہی ہے۔

دُعا کیجئے

یا اللہ! ہم سے زیادہ محتاج اور کون ہے۔
ہم آپ کے فضل وکرم کے بہت محتاج ہیں۔
ہمیں اپنا فرمانبردار بنا لیجئے، اپنے نبی الرحمۃ صلی اللہ علیہ وسلم کا وفادار، سچا اُمتی بنا دیجئے۔

مومن زیادہ تر مصیبتوں میں کیوں گرفتار رہتے ہیں

وعن انس رضی اللہ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: اذا اراد اللہ بعبدہ الخیر عجل له العقوبة فی الدنیا، واذا اراد اللہ بعبدہ الشر امسک عنه بذنبه حتی یوافی به یوم القیامة، وقال النبی صلی اللہ علیه وسلم: ان عظم الجزآء مع عظم البلاء، (ریاض الصالحین)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی (نیکوکار) بندے کے ساتھ بھلائی کرنا چاہتے ہیں تو (اسکی کوتاہیوں اور خطاؤں کی) جلدی سے دنیا میں ہی کسی مصیبت میں گرفتار کر کے سزا دے دیتے ہیں (اور آخرت کے دردناک ابدی عذاب سے بچالیتے ہیں) اور جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی (نافرمان و بدکار) بندے کا برا چاہتے ہیں تو اس کے گناہوں کی سزا دنیا میں نہیں دیتے تاکہ قیامت کے دن (اس کے اگلے پچھلے تمام گناہوں کی) پوری پوری سزا دیں۔

مصیبتوں کے وقت ایک مومن کو کیا کرنا چاہئے

یہ حدیث پاک ہر مسلمان کو سبق دیتی ہے کہ جب بھی وہ کسی آفت و مصیبت یا دکھ بیماری میں گرفتار ہو تو فوراً اس کو اپنے شب و روز کے اعمال کا جائزہ لینا چاہئے اگر کوئی گناہ یا نافرمانی سرزد ہوئی ہو تو فوراً اس سے توبہ و استغفار کرنا چاہئے اگر کسی کی حق تلفی ہوئی ہو تو جلد از جلد اس کی تلافی کرنی چاہئے اور اسی کے ساتھ صبر و شکر بھی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کریمی سے دنیا میں ہی سزا دے کر آخرت کے عذاب سے بچالیا اور اگر بظاہر خدا کی ناراضگی کا کوئی سبب نظر نہ آئے تب بھی توبہ و استغفار کرنا چاہئے۔ اس لئے کہ بہت سے گناہوں کا ہمیں پتہ بھی نہیں چلتا۔ اور صبر و شکر بھی کہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے کفارہ سیئات اور رفع درجات کا سامان پیدا کر دیا بہرحال مصائب و آلام اور دکھ بیماری میں گرفتار ہونے کے وقت ایک مومن کا وظیفہ اور شعار بجائے شکوہ و شکایت اور جزع و فزع (رونے دھونے واویلا کرنے) کے توبہ و استغفار اور صبر و شکر ہونا چاہئے۔

ہماری حالت اور اس کی اصلاح کی تدبیر

اس زمانے میں ہماری خدا سے بے تعلقی کا یہ عالم ہے کہ ہم ان مصائب و آلام کو رفع کرنے اور دکھ بیماری کا علاج کرنے کے لئے ہر طرف دوڑتے ہیں دنیاوی تدابیر و اسباب میں تو سرگرداں رہتے ہیں مگر خدا کی طرف بھول کر بھی متوجہ نہیں ہوتے خدا کا نام زبان پر آتا بھی ہے تو گستاخانہ شکوہ و شکایت اور اظہار ناراضگی کے لئے۔ اس سے خدا کی ناراضگی اور بھی بڑھتی ہے اور اس کے نتیجے میں مصیبتوں اور دکھ بیماری میں اور اضافہ ہوتا ہے حالانکہ مسبب الاسباب اور کارساز مطلق وہی ہے اس کے حکم کے بغیر نہ کوئی تدبیر کارگر ہو سکتی ہے نہ دوا علاج، اور نہ کوئی مددگار و ہمدرد ہی کچھ کر سکتا ہے نہ طبیب و ڈاکٹر ہی، کس قدر خسارہ اور تباہی کا موجب ہے ہماری یہ غفلت اور بے تعلقی خدا سے' نسوا اللہ فنسیھم' کے مطابق ہم نے خدا کو بھلا دیا خدا نے ہم کو بھلا دیا: خدا ہماری حالت پر رحم کرے اور ہمیں توبہ و استغفار، صبر و ضبط اور شکر کی توفیق عطا کرے آمین۔

مومنوں کیلئے مصیبتیں ایک بشارت ہیں

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بڑی جزائے خیر بڑی

ہی مصیبت (برداشت کرنے) پرملتی ہے اور اللہ تعالیٰ جن لوگوں سے محبت فرماتے ہیں انہیں (مصیبتوں دکھ بیماریوں اور جانی ومالی نقصان میں گرفتار کرکے) آزماتے ہیں پس جوشخص (اللہ کی مرضی پر) راضی رہتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس سے راضی ہوتے ہیں اور جوشخص (ان مصیبتوں میں جزع وفزع اورواویلا کرتا ہے اور) اللہ تعالیٰ سے (شاکی اور) ناراض ہوتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس سے ناراض ہوجاتے ہیں۔

تشریح! اس بشارت کی شرط صبر ہے

اللہ تعالیٰ پرایمان رکھنے والوں کے لئے یہ حدیث بہت بڑی بشارت ہے بشرطیکہ وہ صبر وضبط سے کام لے کر اللہ تعالیٰ کی مرضی پر دل سے راضی رہیں اللہ تعالیٰ ہمیں مصائب وآلام پرصبر وضبط کی اور اپنی مرضی پر راضی رہنے کی توفیق عطا فرمائیں قرآن کریم بھی اس کی تاکید کرتا ہے رضی اللہ عنهم ورضوا عنه (اللہ ان سے راضی ہوگیا اور وہ اللہ سے راضی ہوگئے۔

دُعا کیجئے

اے اللہ! تمام کاموں میں ہمارا انجام بہتر فرما اور دنیا کی رسوائی اور آخرت کے عذاب سے ہمیں محفوظ فرما۔

اے اللہ! ہم آپ سے اپنے دین میں، دنیا میں اور اہل وعیال میں معافی اور امن کا سوال کرتے ہیں۔

اے اللہ! ہم ناپسندیدہ اخلاق اور اعمال نفسانی خواہشوں اور بیماریوں سے آپ کی پناہ مانگتے ہیں۔

اے اللہ! ہمارے دل کو نفاق سے عمل کو ریا سے زبان کو جھوٹ سے اور آنکھ کو خیانت سے پاک فرمادیجئے کیونکہ آپ آنکھوں کی چوری اور جو کچھ دل چھپاتے ہیں جانتے ہیں۔

اے اللہ! علم سے ہماری مدد فرما اور حلم سے ہمیں آراستہ فرما اور پرہیزگاری سے بزرگی عطا فرما اور امن سے ہمیں جمال عطا فرمایئے۔

اے اللہ! ہمارے دلوں کے تالے کھول دے اپنے ذکر کے ساتھ اور ہم پر اپنی نعمت کو پورا فرما۔ اور ہم پر اپنا فضل کامل کر اور ہمیں اپنے نیک بندوں میں سے فرمادیجے۔ آمین

صبر وضبط کا ایک بینظیر اور سبق آموز واقعہ

وعن انس رضی اللہ عنہ قال: کان ابن لابی طلحۃ رضی اللہ عنہ یشتکی فخرج ابو طلحۃ، فقبض الصبی، فلما رجع ابو طلحۃ قال: ما فعل ابنی؟ قالت ام سلیم. وھی ام الصبی: ھو اسکن ما کان الخ. (ریاض الصالحین)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا ایک لڑکا بیمار تھا وہ (اس کو اسی حالت میں چھوڑ کر) سفر میں چلے گئے تو (ان کے پیچھے) اس لڑکے کا انتقال ہوگیا۔ جب ابوطلحہ (سفر سے) واپس آئے تو (آتے ہی) انہوں نے (اپنے بیٹے کا حال) دریافت کیا۔ میرے بیٹے کا کیا ہوا؟ (ان کی اہلیہ اور بچے کی ماں ام سلیم نے کہا: اب تو اس کو پہلے کی نسبت بہت زیادہ سکون ہے (وہ یہ سن کر مطمئن ہوگئے) تو ام سلیم نے شام کا کھانا ان کے سامنے رکھا انہوں نے شکم سیر ہوکر کھانا کھایا پھر (رات کو) جماع بھی کیا جب وہ (سب کاموں سے) فارغ ہوگئے تو ام سلیم نے بتلایا کہ (تمہارے بیٹے کا تمہارے سفر میں جانے کے بعد انتقال ہوگیا تھا لوگوں نے اس کو دفن کردیا ہے (انہیں بیٹے کی وفات کے صدمہ کے علاوہ اپنی بیوی کی یہ حرکت بھی بہت ناگوار گزری تو صبح ہوتے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور (بطور شکایت) تمام واقعہ بیان کیا تو آپ نے (ام سلیم کے صبر وضبط سے خوش ہوکر) فرمایا: تو تم نے شب زفاف بھی منائی؟ ابوطلحہ نے عرض کیا: جی ہاں آپ نے ان دونوں کے لئے (اولاد صالح کی) دعا فرمائی اے اللہ تو ان دونوں کو برکت عطا فرما'' چنانچہ ام سلیم کے ہاں لڑکا پیدا ہوا تو انسؓ کہتے ہیں مجھ سے ابوطلحہؓ نے کہا: اس بچہ کو گود میں اٹھاؤ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے جاؤ چند کھجوریں بھی ساتھ بھیجیں (جب میں آپ کی خدمت میں بچے کو لیکر حاضر ہوا) تو آپ نے دریافت فرمایا: کچھ اس بچے کے ساتھ لائے بھی ہو؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں، یہ چند کھجوریں ہیں آپ نے (ان میں سے) ایک کھجور اٹھائی اور دہن مبارک میں چبائی اور اپنے دہن سے نکال کر بچہ کے منہ میں رکھ دی اور پھر تحنیک کی (یعنی بچہ کے تالو سے لگا کر چٹادی) اور اس کا نام عبداللہ رکھا۔ صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ مشہور محدث سفیان ابن عیینہ کہتے ہیں مجھ سے قبیلہ انصار کے ایک آدمی نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا برکت کا کرشمہ دیکھا کہ ابوطلحہ کے اس لڑکے کے (جس کا نام آپ نے عبداللہ رکھا تھا اور برکت کی دعا فرمائی تھی) نو لڑکے ہیں جو سب کے سب قرآن کے قاری (اور حافظ وعالم) ہیں'' صحیح مسلم کی ایک اور روایت میں (یہی واقعہ زیادہ وضاحت کے ساتھ مذکور) ہے اس کے الفاظ یہ ہیں: ابوطلحہ کے ایک لڑکے کا جو ام سلیم کے بطن سے تھا (ان کی عدم موجودگی میں) انتقال ہوگیا تو ام سلیم نے اپنے تمام اقرباء سے کہا: تم میں سے کوئی بھی ابوطلحہ کو (سفر سے واپسی پر) اس کے بیٹے کی وفات کی خبر نہ دے (اور تعزیت نہ کرے) جب تک کہ میں خود ان کو اس کی اطلاع نہ دے دوں چنانچہ ابوطلحہ (سر شام) سفر سے واپس آئے تو ام سلیم نے (بڑے اطمینان سے) شام کا کھانا ان کے سامنے رکھا ابوطلحہ نے خوب شکم سیر ہوکر کھانا کھایا پھر اس کے بعد ام سلیم نے (بتکلف) اپنے سابقہ معمول سے بھی بہتر بناؤ سنگھار کیا (اور شب عروسی کی سی تیاری کی) چنانچہ ابوطلحہ نے (پورے نشاط کے ساتھ) جماع کیا جب ام سلیم کو اطمینان ہوگیا کہ انہوں نے شکم سیر ہوکر کھانا بھی کھالیا

اور اپنی طبعی خواہش بھی پوری کر لی تو ام سلیم نے کہا: اے ابوطلحہ! ذرا یہ تو بتلایئے کہ اگر کسی نے کسی اہل خانہ کو کوئی چیز بطور عاریت دی ہو اور وہ اس عاریت کو واپس مانگے تو کیا صاحب خانہ کو واپس دینے سے انکار کرنے کا حق ہے؟ ابوطلحہ نے کہا: نہیں (ہرگز نہیں) تو ام سلیم نے کہا: تو آپ اپنے بیٹے (کی وفات) پر بھی بنیت اجر وثواب صبر کیجئے" ابوطلحہ یہ سنتے ہی غصہ سے آگ بگولا) ہو گئے اور بولے: اری نیک بخت بیوی! اب جبکہ میں حیوانی خواہش (جماع) سے آلودہ ہو چکا اب تو مجھے میرے بیٹے کی وفات کی خبر دینے چلی ہے" اور (صبح ہوتے ہی) گھر سے چل دیئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور (بڑے غم وغصہ کے ساتھ) پورا واقعہ بیان کیا تو آپ نے (از راہ تحسین وتسلی) فرمایا: اللہ تعالیٰ تم دونوں میاں بیوی کو تمہاری اس شب (عروسی) میں برکت (یعنی اولاد صالح) عطا فرمائیں (چنانچہ اس دعا کے نتیجہ میں) ام سلیم کے ہاں (نو ماہ بعد) لڑکا پیدا ہوا اس وقت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں تھے اور ام سلیم بھی (اپنے شوہر ابوطلحہ کے ساتھ) اس سفر میں آپ کے ہمرکاب تھیں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ یہ تھی کہ آپ جب کسی سفر سے مدینہ طیبہ واپس تشریف لاتے تو رات کے وقت بستی میں داخل نہ ہوتے (اور شہر کے باہر منزل گاہ (پڑاؤ) پر رات گزار کر صبح کو بستی میں داخل ہوتے) چنانچہ جب یہ قافلہ مدینہ کے قریب پہنچا (اور رات کو منزل گاہ پر قیام کیا) تو ام سلیم کو دردزہ شروع ہو گیا (جس کی وجہ سے صبح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب مدینہ میں داخل ہونا دشوار نظر آنے لگا) چنانچہ ان کی وجہ سے ابوطلحہ کو بھی وہیں رکنا پڑا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے تو راوی کہتا ہے کہ: ابوطلحہ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت سے محرومی پر انتہائی یاس کے عالم میں) کہنے لگے: اے میرے رب! تو جانتا ہے کہ میرا جی چاہتا ہے کہ (کسی بھی سفر میں) جب آپ مدینہ سے روانہ ہوں تب بھی میں آپ کے ہمراہ چلوں اور جب آپ (واپس) مدینہ میں داخل ہوں تب بھی میں آپ کے ہمراہ مدینہ میں داخل ہوں اور اس وقت تو دیکھتا ہے کہ مجھے ام سلیم کی وجہ سے یہاں رکنا پڑ رہا ہے تو ام سلیم بولیں: اے ابوطلحہ اب تو مجھے دردزہ کی تکلیف ذرا بھی محسوس نہیں ہو رہی (چلو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی مدینہ چلیں) چنانچہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ چل پڑے اور مدینہ پہنچنے کے بعد دردزہ ہوا اور لڑکا پیدا ہوا حضرت انسؓ کہتے ہیں میری والدہ ام سلیم نے کہا: اے انس اس بچہ کو اس وقت تک کوئی دودھ نہیں پلائے گا جب تک کہ تم اس کو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نہ لے جاؤ گے چنانچہ جب صبح ہوئی تو میں نے اس بچہ کو گود میں لیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر کیا اس کے بعد واقعہ وہی ہے جو اوپر والی روایت میں گزر چکا ہے۔

ایک مسلمان عورت کا عظیم الشان

صبر وضبط اور حوصلہ

اس حدیث پاک میں حضرت ام سلیم انصاریہ رضی اللہ عنہا کے صبر وتحمل اور شوہر کے ساتھ وفاشعاری کے جذبہ کی جس قدر تعریف کی جائے کم ہے اس لئے کہ اولاد کی فطری محبت خصوصاً نرینہ اولاد کی۔ اور اس حالت میں کہ ایک لڑکا جس کا نام عمیر تھا اس سے قبل فوت ہو چکا تھا۔ ماں کو جس قدر محبت ہوتی ہے باپ کو اس کا عشر عشیر بھی نہیں ہوتی ماں کی گود کا خالی ہو جانا اس کے لئے ایک ہوش ربا سانحہ ہوتا ہے مگر چونکہ ام سلیم جانتی تھیں کہ ان کے شوہر کو بھی اس بچہ سے بے حد محبت تھی اگر سفر سے واپس آتے ہی ان کو اس سانحہ کی خبر دے دی گئی تو شدت غم واندوہ سے نہ معلوم کتنے دن تک کے لئے کھانے پینے اور آرام وراحت سے محروم ہو جائیں گے اس لئے خود اپنے کلیجہ

پر صبر وضبط کا پتھر رکھا اور شوہر کو سفر کی تکان دور کرنے کا موقع دیا نہ صرف یہ بلکہ بتکلف خود کو معمول سے زیادہ آراستہ وپیراستہ کر کے طبعی خواہش (جماع) کی ترغیب کا سامان بھی مہیا کیا اور فراغت کے بعد انتہائی حکیمانہ انداز میں بیٹے کی وفات کی خبر سنائی واقعی بڑے ہی سخت صبر وضبط عقل ہوش اور حوصلہ کا کام ہے اسی لئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تحسین ستائش اور دعا برکت فرمائی اور اللہ تعالیٰ نے اس کا نعم البدل عطا فرمایا ہمارے زمانہ کی خواتین اور ماؤں کے لئے یہ واقعہ انتہائی سبق آموز ہے۔

حضرت ام سلیمؓ مسلمان خواتین کیلئے قابل تقلید

حضرت ام سلیم انصاریہ رضی اللہ عنہا اپنی خدا پرستی، دینداری اور خوبیوں کے اعتبار سے ایک قابل تقلید مسلمان خاتون ہیں خصوصاً مسلمان عورتوں کے لئے، ان کے پہلے شوہر حضرت انس کے والد کا نام مالک تھا جونہی اسلام مدینہ میں پہنچا یہ فوراً مسلمان ہوگئیں نہ صرف یہ بلکہ اپنے شوہر مالک کو بھی اسلام قبول کرنے کی دعوت دی وہ شقی القلب کافر اس پر بے حد غضب ناک ہوا اور گھر سے نکل گیا اور ملک شام چلا گیا اور وہیں وفات پا گیا ابوطلحہ ابھی مسلمان نہ ہوئے تھے عدت گزرنے کے بعد انہوں نے ام سلیم کو نکاح کا پیغام بھیجا ام سلیم نے اسلام قبول کر لینے کی شرط کے ساتھ اپنی آمادگی ظاہر کی چنانچہ ابوطلحہ مسلمان ہو گئے اور ام سلیم سے نکاح کر لیا اس لحاظ سے ابوطلحہ حضرت انس کے سوتیلے باپ ہیں۔

ام سلیمؓ کی خدمت گزاری کا صلہ

ام سلیم بے حد سمجھدار مدبر اور منتظم اور خدمت گزار خاتون تھیں اسی لئے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم امور خانہ داری اور ازواج مطہرات رضوان اللہ علیہن سے متعلق نسوانی انتظامات انہی کے سپرد فرمایا کرتے تھے انہوں نے اپنے بڑے بیٹے حضرت انسؓ کو دس سال کی عمر میں ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بطور خادم پیش کر دیا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرما لیا تھا اور دس سال تک شب وروز اندرون خانہ اور بیرون خانہ سفر میں ہوں یا حضر میں برابر خدمت میں مصروف رہے۔

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا اثر

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ام سلیم نے ایک دن انس کے لئے دعاء برکت کی درخواست کی آپ نے ازراہ کمال شفقت انس کے لئے عمر میں درازی اور مال واولاد میں برکت کی دعا فرمائی چنانچہ انسؓ نے سو سال سے زیادہ لمبی عمر پائی اور ان کی زندگی ہی میں ان کے بیٹوں پوتوں کی تعداد بھی سو سے اوپر پہنچ گئی تھی اور ان کا شمار ہمیشہ دولت مند صحابہؓ میں رہا اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور آپ کے دین کی خدمت کی توفیق عطا فرمائیں کہ یہی سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی خدمت اور محبت کی دلیل اور دنیا وآخرت میں کام آنے والا سرمایہ ہے۔

دُعا کیجئے

یا اللہ! تمام لعنت زدہ کاموں سے ہمیں بچا لیجئے کہ ہم جن سے آپ ناراض ہوتے ہیں۔ یا اللہ ہم آپ کے مواخذہ کو برداشت نہیں کر سکتے نہ دنیا میں نہ آخرت میں۔

یا اللہ! ہمارے پاس اور کوئی سرمایہ نہیں، کوئی وسیلہ نہیں اقرار جرم کرتے ہیں آپ کے نبی الرحمۃ صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ پیش کر کے آپ کی رحمت کے طلب گار ہیں۔

بہادری زور آزمائی کا نام نہیں ہے

وعن ابی هریرة رضی الله عنه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: لیس الشدید بالصرعة، انما الشدید الذی یملک نفسه عند الغضب، (متفق علیه)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بڑا بہادر وہ نہیں ہے جو (کشتی میں) سب کو پچھاڑ دے شہ زور بہادر تو درحقیقت صرف وہ شخص ہے جو غیض وغضب (کی حالت) میں خود کو اپنے قابو میں رکھے۔

شجاعت اور بہادری کا معیار

حدیث پاک کی تعلیم کا حاصل یہ ہے کہ جسمانی قوت وطاقت اور اس کے استعمال کرنے کی قدرت پر شجاعت کا مدار نہیں شجاعت کا مدار صرف قوت نفس پر ہے اور اس کا پتہ صرف اس وقت چلتا ہے جبکہ انسان انتہائی غیض وغضب اور اشتعال کی حالت میں بھی اپنے آپ کو قابو میں رکھے اور وہی کرے جو عقل سلیم، کرم نفس اور قانون عدل وانصاف کا تقاضا ہو اگر عقل اور شریعت جسمانی طاقت سے کام لینے اور سزا دینے کو ضروری قرار دیں تو جسمانی طاقت استعمال کرے اور اسی حد تک جس حد تک ضروری ہو ورنہ نہیں خواہ نفس کتنا ہی طاقت استعمال کرنے اور انتقام لینے کا تقاضا کرے مگر اس کے تقاضہ پر عمل نہ کرے بلکہ صبر اور درگزر سے کام لے۔

امام نووی اس حدیث کو صبر کے باب میں کیوں لائے

اسی لئے امام نووی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو شجاعت کے بجائے صبر کے بیان میں نقل کیا ہے اس لئے کہ کامل صبر وضبط کے ملکہ کے بغیر اس حدیث پر عمل نہیں کیا جاسکتا گویا رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس حدیث میں درحقیقت صبر وضبط کی تعلیم دے رہے ہیں چنانچہ خلق عظیم کے مالک افضل الخلائق صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرہ طیبہ اور آپ کے اسوہ حسنہ کے رنگ میں رنگے ہوئے صحابہ کرام خصوصاً حضرت علی مرتضیٰ اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہم کی سیرت میں اس شجاعت اور صبر وضبط کی مثالیں آپ کو بکثرت ملیں گی کہ آپ کو ناانصافی کا اتہام لگانے والے لوگ گستاخ شخص پر کتنا شدید غصہ آیا تھا آپ چاہتے تو اس کو توہین وایذاء رسول کے جرم میں قتل کر سکتے تھے مگر چونکہ آپ کا ذاتی معاملہ تھا اس لئے آپ نے صبر اور درگزر سے کام لیا یہی قرآن مجید کی تعلیم ہے ارشاد ہے۔

اور بخدا اگر تم درگزر کرو (اور انتقام نہ لو) تو یہ تو صبر کرنے والوں کے لئے بہت بہتر ہے

صبر اور درگزر کہاں نہیں کرنا چاہئے

باقی اگر اسی اور پر کوئی ظلم کرتا ہو یا کسی کی آبرو پر حملہ کرتا ہو تو آپ ہرگز درگزر نہیں فرماتے تھے اور قرار واقعی سزا دیتے تھے چنانچہ صلوٰت ماثورہ (مسنون درود) کے کلمات میں آپ کی شان یہ مذکور ہے۔

اے اللہ تو رحمت نازل فرما ہمارے سردار محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جس کی مجلسوں میں کسی کی بے آبروئی نہیں کی جاتی تھی اور جو ظلم کرنے والے سے چشم پوشی (اور درگزر) نہیں فرمایا کرتے تھے۔

انسان کے صبر وضبط کی آزمائش کا موقعہ

وعن سليمان بن صرد رضى الله عنه قال: كنت جالساً مع النبى صلى الله عليه وسلم ورجلان يستبان، وأخدهما قد احمز وجهه، وانتفخت اوداجه. فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم انى لا علم كلمة لو قالها لذهب عنه ما يجد، لو قال: اعوذ بالله من الشيطان الرجيم. ذهب منه ما يجد، فقالوا له: ان النبى صلى الله عليه وسلم قال: تعوذ بالله من الشيطان الرجيم، متفق عليه

ترجمہ: حضرت سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ: میں (ایک دن) رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا اور دو آدمی آپس میں گالی گلوچ کر رہے تھے ان میں سے ایک کا (غصہ کے مارے برا حال تھا) چہرہ سرخ ہو رہا تھا گردن کی رگیں پھول رہی تھیں تو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے حاضرین سے فرمایا: مجھے ایک کلمہ ایسا معلوم ہے کہ اگر یہ اس کلمہ کو پڑھ لے تو اس کا یہ سارا غصہ کافور ہو جائے گا اگر یہ **اعوذ بالله من الشيطان الرجيم** پڑھ لے تو اس کا یہ سارا غصہ ختم ہو جائے'' تو لوگوں نے اس شخص سے کہا (ارے بے وقوف) نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں تو اعوذ بالله من الشيطان الرجيم کیوں نہیں پڑھ لیتا یعنی مردود شیطان سے اللہ کی پناہ کیوں نہیں لے لیتا۔

غصہ کو فرو کرنے اور صبر وضبط اختیار کرنے کی تدبیر

غصہ اور غیض وغضب خاص کر کسی شخص کی بے جا زیادتی پر ایک طبعی چیز اور فطری امر ہے اور انسان کا ازلی دشمن مردود شیطان اس طبعی اور فطری جذبہ سے ناجائز فائدہ اٹھا کر عموماً انسان کو ظلم وجور اور باہمی جھگڑے فساد کا مرتکب بنا دیتا ہے اس حالت میں صبر وضبط سے کام لینا اور عقل وخرد کے تقاضے یا شریعت کی تعلیمات پر عمل کرنا اور مردود شیطان کے بچھائے ہوئے جال سے بچنا بڑا ہی مشکل کام ہے اسی لئے اس حدیث پاک میں غیض وغضب کو فرو کرنے کی تدبیر شیطان لعین سے اللہ کی پناہ لینا اور صبر وتحمل اختیار کرنا بتلائی ہے جیسا کہ اگلی حدیث نمبر ۲۴ میں اس صبر وضبط کے اجر عظیم کی بشارت دی گئی ہے۔

انتقام لینے کی قدرت کے باوجود صبر وضبط

حضرت معاذ بن انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص اپنا غصہ اتارنے (اور بدلہ لینے) پر قادر ہو اور اس کے باوجود وہ اپنے غصہ کو دبائے (اور قابو میں رکھے) اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو تمام مخلوق کے سامنے بلائیں گے اور اختیار دیں گے کہ وہ جنت کی آہو چشم حوروں میں سے جس کو چاہے لے لے۔

ان دونوں حدیثوں کو صبر کے باب میں لانے کی وجہ

آپ ہر دو حدیثوں کی مذکورہ بالا تشریح سے بخوبی سمجھ چکے ہیں کہ غیض وغضب اور غصہ' جو بقول حکماء جنون ساعۃ وقتی دیوانگی ہے۔ کے حملہ سے بچنے یا اس کے حملہ کے وقت اس کی مضرت سے بچنے کی واحد تدبیر صبر وضبط اور تحمل وبردباری کا دامن مضبوطی سے تھامے رہنا ہے اسی کی ان دونوں حدیثوں میں تعلیم دی گئی ہے اسی لئے امام نوویؒ ان کو صبر کے باب میں لائے ہیں۔

غیض وغضب اور صبر وضبط

وعن ابی هریرة رضی الله عنه، ان رجلا قال للنبی صلی الله علیه وسلم: اوصنی، قال ولا تغضب، فردد مرارا، قال: لا تغضب (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ مجھے کوئی وصیت فرمایئے (جس پر میں عمر بھر کار بند رہوں) آپ نے فرمایا: غصہ کبھی مت کرنا راوی کہتے ہیں: اس شخص نے (اپنی کوتاہ فہمی کی وجہ سے) بار بار یہی سوال لوٹایا: مجھے وصیت کیجئے'' آپ نے ہر مرتبہ یہی جواب دیا: غصہ کبھی مت کرنا۔

غصہ بری بلا ہے اور اسکا علاج صبر وتحمل کا ملکہ ہے

حقیقت یہ ہے کہ اچھے سے اچھا سمجھدار انسان بھی شدید غصہ کی حالت میں عقل وخرد سے خارج اور بالکل پاگل ہو جاتا ہے نہ خدا رسول کی تعلیمات کا ہوش رہتا ہے نہ اخلاق وانسانیت کے تقاضوں کا' اسی لئے کہا گیا ہے **الغضب جنون ساعة** (غصہ تھوڑی دیر کی دیوانگی کا نام ہے) علماء اخلاق نے لکھا ہے کہ بعض مرتبہ شدت غیض وغضب سے انسان کی موت واقع ہو جاتی ہے یا مستقل طور پر پاگل ہو جاتا ہے اور یہ تو بالکل عام بات ہے کہ غصہ فرو ہونے کے بعد انسان خود کو اپنے کئے پر ملامت کیا کرتا ہے اور بسا اوقات بڑے بڑے دوررس نقصانات اٹھانے پڑتے ہیں اور اس غصہ کے بھوت پر قابو پانا صبر وضبط کا ملکہ پیدا کئے بغیر اور برداشت وتحمل کی عادت ڈالے بغیر ممکن نہیں لہٰذا غصہ نہ کرنے کی وصیت کا منشا درحقیقت صبر وضبط کی عادت ڈالنے کی وصیت فرمانا ہے اور صبر وضبط کے دنیوی واخروی فوائد اور عند اللہ پسندیدہ اور موجب اجر وثواب ہونے کا حال آپ اس باب کی قرآن آیات میں پڑھ چکے ہیں اور احادیث میں پڑھ ہی رہے ہیں اسی لئے امام نووی رحمہ اللہ اس حدیث کو صبر کے باب میں لائے ہیں۔

صبر وشکر اختیار کرنے کا صلہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آگاہ فرمایا کہ: مومن مردوں اور مومن عورتوں کے جان پر' اولاد پر' مال پر' (ناگہانی) بلائیں اور مصیبتیں برابر آتی رہتی ہیں (اور وہ برابر توبہ واستغفار اور صبر وشکر کرتے رہتے ہیں اور اس کے نتیجہ میں ان کی خطائیں معاف ہوتی رہتی ہیں) یہاں تک کہ وہ تمام گناہوں اور خطاؤں سے پاک وصاف اللہ سے جا ملتے ہیں۔

صبر وضبط کا عظیم فائدہ

کمال ایمان کا لازمی تقاضہ ہے' مصائب پر صبر وشکر اور توبہ واستغفار' اور ظاہر ہے کہ جب ایک مخلص مومن کا شب وروز کا وظیفہ توبہ واستغفار ہوگا تو گناہوں اور خطاؤں کے باقی رہنے کا سوال ہی نہیں باقی رہتا حدیث شریف میں آتا ہے **التائب من الذنب کمن لاذنب له** (گناہ سے توبہ کر لینے والا اس شخص کی مانند ہو جاتا ہے جس نے گناہ کیا ہی نہ ہو) ایسی صورت میں صبر وشکر کا رفع درجات اور قرب الٰہی کا موجب ہونا سابقہ احادیث کی روشنی میں یقینی ہے اور یہی ایک مومن کی انتہائی معراج ہے اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

حضرت عمرؓ کے صبر و تحمل کا ایک واقعہ

وعن ابن عباس رضی الله عنهما قال: قدم عيينة بن حصن فنزل على ابن اخيه احر بن قيس، وكان من النفر الذين يدنيهم عمر رضی الله عنه، وكان القراء اصحاب مجلس عمر رضی الله عن ومشاورته كهولا كانوا او شبازل فقال عيينة لابن اخيه (رياض الصالحين)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: (ایک عرب قبیلہ کا سردار) عیینہ بن حصن (مدینہ) آیا اور اپنے بھتیجے حربن قیس کے پاس ٹھہرا یہ حربن قیس اور لوگوں (یعنی اراکین شوریٰ) میں سے تھے جن کو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اپنے سے قریب تر رکھتے تھے حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اہل مجلس (مقربین) اور ارباب شوریٰ (مشیر) حفاظ قرآن ہی ہوا کرتے تھے بڑے ہوں یا چھوٹے' سن رسیدہ ہوں یا نوعمر' تو عیینہ نے اپنے بھتیجے حربن قیسؓ سے کہا: برادرزادے! تمہیں ان امیر المومنین سے قرب خاص حاصل ہے تو مجھے ملاقات کی اجازت لے دو چنانچہ حربن قیسؓ نے ملاقات کی اجازت طلب کی حضرت عمرؓ نے اجازت دے دی جب یہ دونوں فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو عیینہ نے کہا: اے خطاب کے بیٹے! وہ (شکایت جس کے پیش کرنے کے لئے میں آیا ہوں) یہ ہے کہ خدا کی قسم نہ تم ہمیں (ہمارے قبیلہ کو) عطا کثیر ہی دیتے ہو اور نہ ہمارے حق میں عدل وانصاف ہی کرتے ہو' فاروق اعظم (اس دریدہ دہنی اور افترا پردازی پر) غصہ (سے آگ بگولا) ہو گئے یہاں تک کہ آپ نے قصد کیا کہ اس (گستاخ مفتری) کو قرار واقعی سزا دیں تو حربن قیسؓ فوراً بولے! امیر المومنین اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا ہے خذ العفو وامر بالعرف واعرض عن الجاہلین۔ عفو کو اختیار کرو' بھلی بات کا حکم دو اور جاہلوں سے درگزر کرو۔ اور یہ (میرا چچا) یقیناً جاہلوں میں سے ہے (اور اسلامی اخلاق وآداب سے نابلد ہے) راوی حدیث ابن عباسؓ کہتے ہیں: خدا کی قسم جوں ہی حربن قیسؓ نے یہ آیت کریمہ تلاوت کی حضرت عمر (کا غصہ بالکل سرد پڑ گیا اور انہوں) نے آیت کریمہ (کے حکم) سے سرمو تجاوز نہیں کیا حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں: فاروق اعظمؓ کتاب اللہ کے حکم کے سامنے ہمیشہ سر تسلیم خم کر دیا کرتے تھے۔

عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خصوصیت

فاروق اعظمؓ جیسے سخت مزاج انسان۔ جن کے متعلق سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ یہ ہے **واشدهم فی امر الله عمر** (اللہ کے معاملہ میں تمام صحابہؓ سے زیادہ سخت عمر ہیں) کا عمر پر نہیں بلکہ خلیفہ رسول اللہ پر' ناانصافی کا الزام لگانے والے گستاخ شخص پر مشتعل اور غصہ سے آگ بگولا ہو جانا نہ صرف فطری بلکہ دینی تقاضہ تھا۔ مگر آیت کریمہ کو سنتے ہی غیض وغضب کا یکسر فرو ہو جانا انتہائی صبر وتحمل کی دلیل ہے درحقیقت انتہائی اشتعال اور محل غیض وغضب کی حالت میں صبر وتحمل اختیار کرنا بے حد کٹھن اور مشکل کام ہے اور صبر وضبط کی سب سے بڑی آزمائش ہے اللہ تعالیٰ کی توفیق خاص کے بغیر اس کٹھن آزمائش میں پورا اترنا ممکن نہیں اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس صبر وتحمل کی توفیق عطا فرمائیں آمین۔

مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک پیشن گوئی

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے بعد (غیر مستحق

لوگوں کو مستحقین پر) ترجیح (فوقیت) دی جائے گی اور ایسے امور پیش آئیں گے جن کو تم اوپر (غیر اسلامی) محسوس کروگے (یعنی میری سنت اور سیرت کے خلاف محسوس کروگے صحابہؓ نے عرض کیا: تو (ایسے وقت کے لئے) آپ ہم کو کیا حکم دیتے ہیں؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو تمہارے اوپر (حکمرانوں کی اطاعت کا) حق ہے اس کو تو پورا پورا ادا کرنا اور جو تمہارا حق ہو (اور وہ مارا جائے اس کو اللہ تعالیٰ سے مانگنا (حکمرانوں کے خلاف بغاوت ہرگز نہ کرنا جب تک کہ کھلے کفر کی نوبت نہ آجائے)

صبر کا ایک اہم مقام

علانیہ حق تلفی کو برداشت کرنے کے لئے بھی بڑے حوصلہ اور صبر وضبط کی ضرورت ہے اسلامی ملکوں میں امن وامان برقرار رکھنے کی نیت سے اس ظلم وجور کو برداشت کرنا بہت بڑی قومی اور اجتماعی نیکی اور عنداللہ اجر وثواب عظیم کا موجب ہے اس لئے کہ ان اللہ لایحب الفساد (بیشک اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا۔)

قومی اور جماعتی امن وامان کی تعلیم

حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: ایک انصاری رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا آپ مجھے عامل (زکوٰۃ وصدقات کا محصل) نہیں بنا دیتے؟ جیسے آپ نے فلاں شخص کو بنایا ہے؟'' تو مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (میں نے تو کسی غیر مستحق کو مستحق پر فوقیت نہیں دی ہاں تم میرے بعد عنقریب یہ ترجیح (اور حق تلفی) دیکھو گے پس اس وقت تم اس پر مرتے دم تک صبر کرنا (اور حق تلفیاں کرنے والوں کے خلاف کوئی باغیانہ قدم نہ اٹھانا) یہاں تک کہ (اس صبر وتحمل کے صلہ میں) تم مجھ سے حوض کوثر پر آملو۔

حاکم کی حق تلفی کے باوجود صبر وتحمل اختیار کی ہدایت

اسلام مذہب ''امن وسلام'' ہے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تعلیمات قومی اور اجتماعی امن وسلامتی کو برقرار رکھنے راعی اور رعایا' حکومت اور اہل ملک' کے درمیان مخالفت اور خانہ جنگی کا سدباب کرنے پر مبنی ہیں عموماً حکمرانوں سے حق تلفیاں ہوتی ہیں نہ بھی ہوں تو بھی عوام محسوس کرتے ہیں کہ ہماری حق تلفی ہو رہی ہے درحقیقت کچھ حکومت اور حکمرانوں کی بھی مشکلات اور دشواریاں ہوتی ہیں جن کی بنا پر وہ اپنے رویہ میں حق بجانب ہوتے ہیں مگر عوام' یا ان سے صحیح معنی میں واقف نہیں ہوتے یا وہ اپنے حقوق کے مطالبہ میں اس قدر مغلوب ہو جاتے ہیں کہ انہیں وہ مشکلات اور دشواریاں نظر ہی نہیں آتیں اور حکمرانوں پر ظلم وجور اور حق تلفی کا الزام لگانے لگتے ہیں۔

ملک میں امن وامان قائم رکھنے کی اسلامی تدبیر

ایسی صورت میں ملک کے استحکام کو محفوظ رکھنے کی یہی تدبیر ہوسکتی ہے کہ ایک طرف حکمرانوں کو عدل وانصاف قائم کرنے اور بے رورعایت عوام کے حقوق ادا کرنے کی سخت ترین تاکید کی جائے دوسری طرف لوگوں کو حق تلفیوں پر صبر وتحمل اور ایثار کی ترغیب دی جائے یہی اسلامی تعلیمات کی ''روح'' ہے اگر راعی اور رعایا حاکم اور محکوم نیک نیتی کے ساتھ ان تعلیمات پر قائم اور کاربند رہیں تو حکومت کی مخالفت اور بغاوت کی نوبت آہی نہیں سکتی اور ملکی استحکام کو نقصان پہنچ ہی نہیں سکتا اللہ تعالیٰ ہمارے ملک کے عوام اور حکمرانوں کو ان اسلامی تعلیمات پر کاربند ہونے کی توفیق عطا فرمائیں۔

میدان جہاد اور صبر واستقلال کی تعلیم

وعن ابی ابراهیم عبدالله بن ابی اوفی رضی الله عنهما ان رسول الله صلی الله علیه وسلم فی بعض ایامه التی لقی فیها العدو، انتظر حتی اذا مالت الشمس قام فیهم (ریاض الصالحین)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض لڑائیوں میں دشمن پر حملہ کرنے میں (سورج ڈھلنے کا) انتظار فرمایا ہے۔

اسلامی جہاد کے آداب

یہاں تک کہ جب سورج ڈھل گیا ہے تو پہلے کھڑے ہوکر غازیوں سے خطاب فرمایا ہے: اے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والو! دشمن سے لڑائی کی آرزو مت کرو اور اللہ تعالیٰ سے عافیت کی دعا مانگو پھر جب دشمن سے مقابلہ ہو ہی جائے تو صبر کرو (ثابت قدمی اور پائیداری سے کام لو) اور یقین کرلو کہ تلواروں کے سایہ کے نیچے جنت ہے (شہید ہوتے ہی سیدھے جنت میں جاؤ گے اور زندہ وجاوید ہو جاؤ گے) اس خطبہ کے بعد (ہاتھ اٹھا کر) دعا فرمائی ہے: اے اللہ تعالیٰ آسمان سے کتاب (قرآن) نازل کرنے والے بادلوں کو ادھر سے ادھر لے جانے والے اور باطل پرستوں کے گروہوں کو شکست دینے والے! تو ان دشمنوں کو پسپا کردے اور ان کے مقابلہ پر ہماری مدد فرما''۔

صبر واستقلال کی آزمائش کا سب سے بڑا مقام

ظاہر ہے کہ انسان کے صبر وضبط کی سب سے بڑی آزمائش کا مقام میدان جنگ ہے بڑے بڑے بہادروں کے قدم محاذ جنگ پر دشمنوں کی مسلح افواج کو دیکھ کر پھسل جاتے ہیں اسی لئے قرآن عظیم اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے بڑا گناہ کبیرہ فرار من الزحف (محاذ جنگ سے فرار) کو قرار دیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید ہونے والوں کی موت کو **اشرف الموت قتل الشهدآء** (سب سے شریف موت شہیدوں کا قتل ہے) کے تحت سب سے زیادہ باعزت موت قرار دیا ہے تاہم دشمنوں سے لڑائی کی آرزو کرنے سے بھی منع فرمایا ہے جیسا کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے اس میدان جنگ کے خطبہ سے ظاہر ہے یعنی دشمنوں سے خواہ مخواہ لڑائی مول بھی مت لو مگر جب جنگ ناگزیر ہو جائے تو صرف اللہ تعالیٰ کی نصرت پر بھروسہ رکھو اور انتہائی پامردی کے ساتھ دشمنوں سے مرتے دم تک لڑو یہاں تک کہ اللہ کی راہ میں جان دے دو اور سیدھے جنت میں جاؤ۔

اسلام کے خلاف ایک پروپیگنڈے کی تردید

اس خطبہ سے دشمنانان اسلام کے اس پروپیگنڈے کی بھی زبردست تردید ہوتی ہے جو کہتے ہیں کہ اسلام تو صرف خونریزی اور غارتگری کی تعلیم دیتا ہے اسے امن وسلام سے کیا واسطہ اسلام اگر ایک طرف۔ جب دشمنانان اسلام سے جنگ کے سوا کوئی چارہ کار باقی نہ رہے تو انتہائی پامردی کے ساتھ لڑنے کی تعلیم دیتا ہے تو دوسری طرف دشمنوں سے باعزت صلح وآشتی کی بھی تعلیم دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **وان جنحوا للسلم فاجنح لها** (اے پیغمبر اگر دشمن صلح کی طرف مائل ہوں تو تم بھی صلح کی طرف مائل ہو جاؤ)

اسلامی جہاد کا مقصد

اسلام کی تمام تر قتال وجہاد کی تعلیمات کا واحد مقصد کلمۃ

اللہ۔ اللہ کے حکم کو۔ بلند کرنا اور اللہ کی حاکمیت کو قائم کرنا ہے۔ جس کی زیر سایہ غیر مسلم بھی اسی طرح امن وامان کے ساتھ زندگی بسر کر سکتے ہیں جیسے مسلمان۔ اسلام جس طرح ایک مسلمان کی جان ومال کی سلامتی کی ضمانت دیتا ہے اسی طرح وہ ایک ذمی (غیر مسلم رعایا) کی جان ومال کی سلامتی کا بھی ضامن ہے تفصیل کے لئے قرآن وحدیث اور فقہ اسلامی کی تعلیمات کی مراجعت کیجئے۔

صدق کے لغوی اور شرعی معنی

لغت کے اعتبار سے اگر چہ صدق کے معنی ''سچ بولنا'' اور واقعہ کے مطابق بات کہنا کئے جاتے ہیں اور اس لحاظ سے صدق انسان کی زبان اور قول کے ساتھ مخصوص ہو جاتا ہے مگر شریعت کی اصطلاح میں صدق کے تحت انسان کے قول کی طرح خود اس کا اپنا فعل بھی داخل ہے اور صدق فی الفعل کے معنی یہ ہیں کہ انسان جو زبان سے کہے اس پر عمل بھی کرے اس کو پورا بھی کرے اس لحاظ سے صدق فی الفعل کا تعلق اپنی ذات سے ہو جاتا ہے جیسا کہ صدق فی القول کا تعلق ''غیر'' سے ہوتا ہے یعنی کسی کے متعلق جو بات کہے بالکل سچی اور واقعہ کے مطابق کہے بالفاظ دیگر عربیت کی اصطلاح کے مطابق صدق فی القول ''خبر'' ہے اور صدق فی الفعل ''انشا'' ہے۔

صدق فی القول اور صدق فی الفعل کی خلاف ورزی

صدق فی القول کی خلاف ورزی یعنی جان بوجھ کر جھوٹ بولنا اور واقعہ کے خلاف بات کہنے پر تو قرآن کریم میں بے شمار وعیدیں آئی ہیں حتیٰ کہ لعنة الله على الكاذبين۔ جھوٹوں پر خدا کی لعنت۔ تک کی تصریح ہے اسی طرح صدق فی الفعل کی خلاف ورزی۔ یعنی جو زبان سے کہنا اس پر عمل نہ کرنا۔ بھی شدید وعید آتی ہے ارشاد ہے۔

اے ایمان والو! جو تم کرتے نہیں وہ زبان سے کیوں کہتے ہو۔ یعنی بڑی بری بات ہے بلکہ زبردست اخلاقی کمزوری ہے کہ جو زبان سے کہو اس پر عمل نہ کرو انسان کو اپنی زبان کا پاس ہونا چاہئے۔ چاہے کچھ بھی ہو جائے جو زبان سے کہا اسے پورا کرنا چاہئے گویا ایمان کے دعوےٰ کے بالکل منافی ہے کہ جو تم زبان سے کہو اس پر عمل نہ کرو یا جو عہد کرو اس کو پورا نہ کرو۔ اسی پر بس نہیں بلکہ ارشاد ہے۔

بہت بڑی ناراضگی کا موجب ہے اللہ کے نزدیک کہ تم جو کہو اس پر عمل نہ کرو۔ اس لئے ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ صادق القول یعنی ''راست گفتار'' بھی ہو اور صادق الفعل یعنی ''راست کردار'' بھی ہو تب ہی وہ کامل مومن ہو سکتا ہے خدا کی ناراضگی اور قہر وغضب سے بچ سکتا ہے اور اگر کبھی دانستہ یا نادانستہ طور پر قول یا فعل میں جھوٹ سرزد ہو جائے تو فوراً اس سے توبہ واستغفار کرے اور اگر وہ قول یا فعل کسی دوسرے شخص کے حق سے متعلق ہو تو اس کی تلافی کرنا یا اس سے معاف کرانا بھی از بس ضروری ہے جیسا کہ آپ توبہ کے شرائط میں پڑھ چکے ہیں۔

ہماری حالت اور اس کا نتیجہ

آج کل ہم مسلمانوں میں دوسری قوموں کی دیکھا دیکھی جھوٹ۔ دونوں قسم کا۔ اس قدر عام ہو گیا ہے کہ نہ صرف یہ کہ اسے کوئی گناہ اور جرم نہیں سمجھتے بلکہ ''ہنر'' سمجھتے ہیں اسی لئے طرح طرح سے اللہ کا قہر وغضب ہم مسلمانوں پر نازل ہو رہا ہے العیاذ باللہ

دُعا کیجئے: یا اللہ! ہمارے پاس اور کوئی سرمایہ نہیں، کوئی وسیلہ نہیں اقرار جرم کرتے ہیں آپ کے نبی الرحمة صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ پیش کر کے آپ کی رحمت کے طلب گار ہیں۔

سچ کی عادت انجام نیک.....جھوٹ کی عادت انجام بد

فالاول عن ابن مسعود رضی الله عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: ان الصدق یهدی الی البر وان البر یهدی الی الجنة، وان الرجل لیصدق حتی یکتب عند الله صدیقاً، وان الکذب یهدی الی الفجور، یهدی الی النار، وان الرجل لیکذب حتی یکتب عند الله کذاباً (متفق علیه)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بیشک سچ (انسان کو) نیکوکاری کا راستہ بتلاتا ہے اور نیکوکاری یقیناً (انسان کو) جنت میں پہنچا دیتی ہے اور بیشک آدمی سچ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں (اس کا نام) صدیقین میں لکھ دیا جاتا ہے (اس کے برعکس) جھوٹ (انسان کو) بدکاری کا راستہ بتلاتا ہے اور بدکاری یقیناً (انسان کو) جہنم میں پہنچا دیتی ہے اور بیشک آدمی جھوٹ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں (اس کا نام) کذابین بڑے جھوٹوں میں لکھ دیا جاتا ہے۔

صادقین سے صدیقین تک، کاذبین سے کذابین تک

اس حدیث میں صدق سچ بولنے کے اس فائدہ کو واضح کیا ہے نیز اس کے برعکس کذب جھوٹ بولنے کی اس مضرت کو ظاہر فرمایا ہے جس کی بناء پر جھوٹا آدمی عذاب اور سزا کا مستحق ہو جاتا ہے نیز یہ بھی واضح فرمایا ہے کہ قول اور فعل میں سچائی اختیار کرنے اور عادت ڈالنے کا ثمرہ یہ ہے کہ انسان صادقین کے درجہ سے ترقی کر کے صدیقین کے مرتبہ پر پہنچ جاتا ہے جن کا مقام اللہ تعالیٰ کے ہاں انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد ہے اس کے برعکس جھوٹ اور اس کی عادت کا اندازہ کیجئے کہ جھوٹ کی جرأت پیدا ہو جانے کے بعد بے شمار گناہوں اور جرموں کی راہ ہموار ہو جاتی ہے انسان بڑے سے بڑے گناہ اور جرم کا ارتکاب کرنے سے بھی نہیں جھجکتا محض اس بنیاد پر کہ اگر بات کھلی تو میں صاف انکار کر دوں گا نتیجہ ظاہر ہے کہ دنیا میں بھی ذلیل وخوار اور رسوا ہوتا ہے اپنے کئے کی سزا بھگتنا ہے اور آخرت میں تو جہنم کا عذاب اس کے لئے ہے ہی اسی لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں ایسے عادی جھوٹے کا نام کذابین میں لکھ دیا جاتا ہے اور اس کا مقام جہنم کا سب سے نچلا طبقہ منافقین کا خاص مقام ہوتا ہے۔ العیاذ باللہ

منافقین کی نشانیاں

اسی لئے مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے منافق کی علامت بتلائی ہے **اذا حدث کذب واذا وعد اخلف واذا عاهد غدر.** جب بھی بات کرے جھوٹ بولے اور جب بھی وعدہ کرے اس کا خلاف کرے اور جب بھی کسی سے عہد کرے تو عہد شکنی کرے پہلی صفت سے صدق فی القول کے منافی اور کذب فی القول ہے دوسری اور تیسری صفت میں صدق فی الفعل کی ضد اور کذب فی الفعل ہے۔

صدق اور کذب کا خاصہ

یہ صدق اور کذب، سچ اور جھوٹ۔ کی دینی اور اخروی

منفعت اور مضرت ہوئی حدیث ذیل میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صدق اور کذب کا ایک ایسا خاصہ (خاص وصف) بیان فرمایا ہے جو دنیا اور آخرت دونوں میں پایا جاتا ہے۔

الصدق ینجی والکذب یھلک: سچ نجات دیتا ہے اور جھوٹ ہلاک کرتا ہے۔

یعنی صدق نجات کا ذریعہ ہے اور کذب ہلاکت کا' دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ دنیا کے واقعات اور تجربات شاہد ہیں کہ سچ بولنے کی عادت دنیوی زندگی میں بھی انسان کی قدر و منزلت اور عزت و سرخروئی کا سبب بنتی ہے اور آخرت کے اعتبار سے بھی صدیقین کے مرتبہ کو پہنچ جاتا ہے اس کے برعکس جھوٹ بولنے کی عادت دنیا میں بھی ذلت و خواری اور رسوائی کا موجب ہوتی ہے اور آخرت میں تو جھوٹے منافقوں کے ساتھ اس کا حشر ہوگا ہی اگرچہ سچ بولنے کی وجہ سے دنیوی اور مادی اعتبار سے کچھ نقصان ہی کیوں نہ اٹھانا پڑے اور جھوٹا آدمی جھوٹ بول کر دنیوی اعتبار سے کچھ منفعت ہی کیوں نہ حاصل کرلے حتیٰ کہ سچے آدمی کی تو ''موت'' بھی باعزت موت سمجھی جاتی ہے اور جھوٹے آدمی کی سلامتی اور زندگی بھی لعنت اور پھٹکار کی زندگی سمجھی جاتی ہے **لعنۃ اللہ علی الکاذبین** جھوٹے آدمی کیلئے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

ایک قیمتی نصیحت

حضرت حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ: مجھے اپنے نانا خاتم انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک قیمتی نصیحت خوب اچھی طرح یاد ہے۔

آپ نے ارشاد فرمایا: جس بات میں شک یا تردد ہو اس کو چھوڑ دو اور جس میں کوئی شک وشبہ یا تردد نہ ہو اس کو اختیار کرو (تاکہ جھوٹا بننے کا امکان نہ رہے) اس لئے کہ سچ قلبی اطمینان کا نام ہے اور جھوٹ بے اطمینانی اور تردد کا۔

کسی بات کے سچ یا جھوٹ ہونے کی پہچان

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ کی نہایت اہم پہچان بتلائی ہے وہ ہے ''اطمینان قلب'' جس کو اردو محاورے میں کہتے ہیں ''دل ٹھکنا'' یعنی جس بات پر دل ٹھکے اس کو سچ سمجھو اور جس پر دل مطمئن نہ ہو اس کے سچ مت سمجھو بسا اوقات کوئی بات بظاہر جھوٹی نہیں معلوم ہوتی مگر دل اس پر نہیں ٹھکتا تو احتیاط کا تقاضہ ہے کہ اس بات کو باور بھی نہ کرو اور جھٹلاؤ بھی مت' وقت گزرنے پر پتہ چل جاتا ہے کہ واقعہ کیا تھا۔

مومن کا دل

خاص کر ایک مومن کامل کے قلب کے متعلق تو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: **اتقوا فراسۃ المؤمن فانہ ینظر بنور اللہ** ایک مومن کی فراست قلبی سے ہوشیار رہو اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے۔

شریعت کا حکم

شرعاً بھی کسی بات کو سن کر بلا تحقیق بیان کر دینا ممنوع ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

جس بات کا علم (یقین) نہ ہو اس کے پیچھے مت پڑو بیشک (انسان کے) کان' آنکھیں اور دل ان میں سے ہر ایک سے باز پرس ہونی چاہے۔

اسی لئے جو لوگ سچ بولنے کا اہتمام کرتے ہیں وہ کبھی اطمینان کئے بغیر بات نہیں کہتے اگر کہنا ہی پڑ جائے تو اپنی بے اطمینانی کا اظہار کر دیتے ہیں۔

صدق کا مرتبہ اور مقام

عن ابی سفیان صخر بن حرب، رضی الله عنه فی حدیثه الطویل فی قصة هرقل، قال هرقل: فماذا یامرکم. یعنی النبی صلی الله علیه وسلم. قال ابو سفیان: قلت: یقول: واعبدوا الله وحده لا تشرکوا به شیئا، واترکوا ما یقول اباؤکم، ویامرنا بالصلاة، والصدق، والعفاف، والصلة (متفق علیه)

ترجمہ: حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اسلام لانے سے پہلے زمانہ میں رومی بادشاہ ہرقل سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اپنی ملاقات اور گفتگو کا قصہ ایک طویل حدیث میں بیان کرتے ہیں کہ: ہرقل نے ابوسفیان سے دریافت کیا کہ: تمہیں وہ نبی کس بات کا حکم دیتا ہے؟ ابوسفیان کہتے ہیں: میں نے جواب دیا وہ نبی کہتا ہے صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور کسی بھی چیز کو اس کا شریک مت گردانو اور تمہارے باپ دادا جو (شرکیہ باتیں کرتے اور) کہتے چلے آئے ہیں ان سب کو بالکل چھوڑ دو اور وہ نبی ہمیں نماز (پڑھنے) کا حکم دیتا ہے اور سچ (بولنے) کا پاکدامنی (اختیار کرنے) کا اور صلہ رحمی (کرنے) کا حکم دیتا ہے۔

تشریح! سچ بولنا نبیوں کا شیوہ ہے

صدق درحقیقت انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی صفات عالیہ میں سے ہے اور تمام انبیاء سابقین کی تعلیمات میں صدق کو ایک متفق علیہ۔ مسلم اور مانی ہوئی۔ فضیلت کا مقام حاصل ہے رومی بادشاہ ہرقل اس حقیقت کو جانتا تھا اسی لئے وہ آپ کے امر بالصدق سچ بولنے کے حکم کو آپ کے نبی برحق ہونے کی دلیل قرار دیتا ہے: نہ صرف انبیاء کرام علیہم السلام بلکہ دنیا کے تمام حکماء اور علماء اخلاق بھی صدق کو انسانی کمالات وفضائل میں سرفہرست اول نمبر پر شمار کرتے ہیں۔

سچے دل سے کسی بات کے کہنے یا دعا مانگنے کا ثمرہ

حضرت ابوثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص اللہ تعالیٰ سے سچ مچ (صدق دل سے) شہادت کے درجہ کی دعا مانگتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو شہیدوں کے مرتبہ پر پہنچا دیتے ہیں اگرچہ بستر پر پڑ کر ہی اس کو موت آئے۔

صدق فعلی (عملی سچ) کا بیان

یہ صدق فعلی ہے جس کو اردو میں سچے دل سے دعا مانگنا یا کسی سے وعدہ کرنا کہتے ہیں جس کا دوسرا نام اخلاص ہے دیکھئے اللہ تعالیٰ کے ہاں اسکی کتنی قدر ہے کہ لڑائی کے میدان میں شہید ہوئے بغیر ہی محض صدق واخلاص کی بناء پر اتنا بلند مرتبہ عطا فرما دیتے ہیں اسی لئے مسنون دعاؤں میں ایک دعا ہے یہ دعا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ **اللهم ارزقنی موتاً فی بلدنبیک وشهادة فی سبیلک** اے اللہ تو مجھے اپنے نبی کے شہر (مدینہ) میں موت عطا فرما اور اپنی راہ (جہاد) میں شہادت عطا فرما۔ آپ بھی صدق دل سے یہ دعا مانگا کیجئے۔

دُعا کیجئے: یا اللہ! اس ماہ کا ایک ایک لمحہ ایک ایک سانس ہمارے لئے باعث رحمت بنا دیجئے۔

ایک نبی علیہ السلام کی امت کا واقعہ

عن ابی هریرة، رضی الله عنه، قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: غزا نبی من الانبیاء صلوات الله وسلامه علیهم فقال لقومه: لا یتبعنی رجل ملک بضع امرأة. وهو یرید ان یبنی بها ولما یبن بها، ولا احد بنی بیوتا لم یرفع سقوفها، ولا احد اشتری غنما او خلفات وهو ینتظر اولادها. (ریاض الصالحین)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا کہ پہلے نبیوں میں سے ایک نبی نے صلوات اللہ علیہ وعلیہم اجمعین۔ ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے کا ارادہ کیا تو اس نے اپنی قوم (امت) میں اعلان کرایا کہ تم میں سے جس شخص نے شادی کی ہو مگر ابھی تک شب زفاف کی نوبت نہ آئی ہو بلکہ اس کی تیاری کر رہا ہو وہ اس جہاد میں شریک نہ ہو اور نہ کوئی ایسا شخص شریک ہو جو مکان تعمیر کر رہا ہو مگر ابھی تک اس کی چھتیں نہ پڑی ہوں اور نہ کوئی ایسا شخص میرے ساتھ اس جہاد میں جائے جس نے گابھن بھیڑ بکریاں، اونٹنیاں خریدی ہوں مگر ان کے بچے ابھی پیدا نہ ہوئے ہوں بلکہ انتظار میں ہو چنانچہ وہ نبی علیہ السلام (ایسے فارغ البالی اور یکسوئی کے مالک مخلص غازیوں کے ہمراہ جن کے لئے طبعی اور فطری طور پر اخلاص میں رخنہ اندازی کرنے والا کوئی امر مانع نہ تھا) دشمنوں سے لڑنے کے لئے روانہ ہوئے تو دشمنوں کی ایک بستی پر عصر کی نماز کے وقت یا اس کے قریب قریب پہنچے تو انہوں نے سورج سے خطاب کر کے کہا (اے سورج) تو بھی (اپنے نظام حرکت کو جاری رکھنے پر) مامور ہے اور میں بھی (غروب سے پہلے اس بستی کو فتح کر لینے پر) مامور ہوں (اس کے بعد اللہ سے دعا کی) اے اللہ تو سورج کو روک دے (تاکہ میں تیرے حکم کی تعمیل کرسکوں) چنانچہ سورج کو روک دیا گیا یہاں تک کہ اللہ نے اس بستی کو (سورج ڈوبنے سے پہلے) فتح کرادیا۔

پہلی امتوں میں مال غنیمت کا حکم

تو نبی علیہ السلام نے (نماز کے بعد) تمام مال غنیمت (دشمنوں کا مال ایک اونچے مقام پر) جمع کر دیا تو (حسب معمول) اس مال غنیمت کو کھا جانے (جلا کر راکھ کر دینے) کے لئے (آسمان سے) آگ آئی مگر اس نے اس مال کو نہ کھایا (اور چھوڑ کر واپس چلی گئی) تو نبی علیہ السلام نے فرمایا: یقیناً تم لوگوں میں سے کسی نے مال غنیمت میں خیانت کی ہے لہٰذا تم میں سے ہر قبیلہ کا ایک آدمی (سردار یا نمائندہ) آ کر میرے ہاتھ پر بیعت کرے چنانچہ ایک قبیلہ کے آدمی (نمائندے) کا ہاتھ ان کے ہاتھ سے چپک گیا تو انہوں نے فرمایا: تمہارے قبیلہ میں خیانت ہے لہٰذا تمہارے قبیلہ کا ہر آدمی فرداً فرداً مجھ سے آ کر بیعت کرے، چنانچہ ایک آدمی یا دو تین آدمیوں کے ہاتھ چپک گئے (اور چور پکڑا گیا) تب وہ گائے کے سر کے برابر سونے کا سر (ڈلا) لائے تو اس سونے کو (مال غنیمت کے اوپر) رکھا تب آگ آئی اور سب مال کھا گئی (جلا ڈالا)

اس امت کی خصوصیت

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ہم سے پہلے کسی امت کے لئے مال غنیمت حلال نہیں ہوا اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے ہماری کمزوری اور عاجزی کی بنا پر ہمارے

(امت محمدیہ کے) لئے اموال غنیمت حلال کر دیئے ہیں۔

جھوٹ بولنے کی عبرتناک سزا

دیکھئے جھوٹ بولنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے کس طرح رسوا کیا عموماً ایسا ہی ہوتا ہے اللہ تعالیٰ جلد یا بدیر جھوٹ بولنے والوں کا جھوٹ کسی نہ کسی طرح کھول دیتے ہیں اور رسوا کر دیتے ہیں۔

یہ نبی کون تھے

اس حدیث میں ان اسرائیل نبی علیہ السلام اور اس بستی کا نام مذکور نہیں ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ذیل سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نبی غالباً حضرت یوشع علیہ السلام ہی ہیں اور یہ بستی بیت المقدس ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سورج جب سے یوشع بن نون علیہ السلام کے لئے روکا گیا ہے پھر اور کسی کے لئے نہیں روکا گیا جب وہ بیت المقدس کی طرف (جہاد کے لئے) گئے تھے۔

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت اور برکت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: پہلی امتوں میں زکوٰۃ وصدقات کی طرح اموال غنیمت بھی کسی کے لئے حلال نہ تھے بلکہ آگ آتی تھی اور ان کو جلا ڈالتی تھی یہ صرف نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت 'بہترین امت' کی خصوصیت ہے کہ زکوٰۃ وصدقات (فقراء اور محتاجوں کے لئے اور اموال غنیمت غازیوں اور دوسرے ضرورت مندوں کے لئے یا مصارف خیر میں خرچ کرنے کے لئے) حلال کر دیئے گئے کتنی بڑی رحمت اور نعمت ہے۔

کن لوگوں کو جہاد میں نہیں لے جانا چاہئے

حضرت یوشع علیہ السلام نے مذکورہ بالا تینوں قسم کے لوگوں کو اپنے ساتھ جہاد میں چلنے سے اس لئے منع فرمایا تھا کہ ان تینوں قسم کے لوگوں کے لئے ایک جائز امر اور وقتی عذر سفر کرنے سے مانع موجود تھا اگر وہ جہاد میں جاتے بھی تب بھی ان کو فطری طور پر وہ طمانیت اور یکسوئی یعنی اخلاص اور توجہ الی اللہ میسر نہ آتا جس کی جہاد میں اشد ضرورت ہے فتح ونصرت اللہ تعالیٰ کی جانب سے مخلصین ہی کے لئے آتی ہے مجاہدین کے لشکر میں دو چار یا دس پانچ ایسے لوگوں کا وجود بھی مضر ہے جو خلوص اور توجہ الی اللہ سے محروم ہوں۔

ہماری امت کے لئے حکم

شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں امیر المسلمین کی طرف سے اعلان جہاد کی دو صورتیں ہیں (۱) ایک نفیر عام۔ جہاد میں چلنے کا عام حکم۔ اس صورت میں بجز ان دائمی اور مستقل معذور لوگوں کے جو لڑائی میں کام آ ہی نہیں سکتے۔ جیسے اپاہج، نابینا وغیرہ اور ہر بالغ اور توانا وتندرست مرد کے لئے بلا استثناء جہاد میں شرکت ضروری ہے (۲) دوسرے نفیر خاص۔ جہاد کا خاص حکم۔ اس صورت میں امیر المسلمین اپنی صوابدید اور اختیار سے ضرورت سے زائد بالغ اور توانا وتندرست لوگوں کو بھی جہاد میں شرکت نہ کرنے کی اجازت دے سکتے ہیں۔ تفصیل کے لئے قرآن وحدیث اور کتب فقہ کی مراجعت کیجئے۔

سورج کا رک جانا

ایک قادر مطلق خالق کائنات اللہ تعالیٰ کی قدرت وحکمت پر ایمان رکھنے والے مسلمان کے نزدیک سورج کا زمین کے گرد یا زمین کا سورج کے گرد گھومنا اور حرکت کرنا یعنی "وقت کی رفتار" محض اللہ تعالیٰ کے حکم سے جاری ہے وہ اس کو مستقل طور پر یا وقتی طور پر جب چاہے روک سکتا ہے اس لئے کہ اس مدبر کائنات اللہ تعالیٰ کے جس امر تکوینی کے تحت یہ نظام شمسی حرکت کر رہا ہے اس کی شان

یہ ہے ارشاد ہے: اس کے سوا نہیں کہ ہمارا امر (حکم) کسی چیز کے (وجود میں آنے کے) لئے جب ہم اس کا ارادہ کرلیں تو (صرف یہ (ہوتا) ہے کہ ہم اس کو کہہ دیں "ہوجا" وہ فوراً ہوجاتی ہے۔

یہ لفظ کن کہنا بھی انسانوں کو سمجھانے کے لئے ہے ورنہ "کن کہنے" کی بھی گنجائش نہیں صرف آنکھ کا اشارہ ہی کافی ہوتا ہے ارشاد ہے۔

اور ہمارا امر (حکم) تو (بس) ایک (اشارہ) ہوتا ہے جیسے نگاہ اٹھا کر دیکھ لینا۔ لہٰذا اس نظام شمسی کی حرکت کو وقتی طور پر یا مستقل طور پر روک دینے کے لئے خالق کائنات کا اشارہ کافی ہے۔ اور صادق مصدوق علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وہ وحی ترجمان زبان مبارک یوشع علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے سورج کے رک جانے کی خبر دے رہی ہے جو بغیر وحی الٰہی کے ہلتی ہی نہیں ارشاد ہے۔

اور وہ (تمہارے نبی) اپنی طرف سے مطلق نہیں بولتے وہ (جو کچھ بولتے اور کہتے ہیں وہ) تو وحی ہوتی ہے جو ان کے پاس بھیجی جاتی ہے۔

لہٰذا خالق کائنات کی عقل انسانی کی رسائی سے خارج قدرت پر اور اس کے معصوم القول (جس کی بات جھوٹ اور غلطی سے پاک ہو) رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پر سچے دل سے ایمان رکھنے والے "خدا پرستوں" کے لئے اس نظام شمسی کی حرکت یعنی وقت کی رفتار کے رک جانے کو تسلیم کرنے میں ذرہ برابر شک وشبہ یا تردد نہیں ہوسکتا جو اس میں شک یا تردد کرے وہ خدا کا پرستار نہیں بلکہ عقل کا پرستار ہے اس سے ہمیں واسطہ نہیں۔

دُعا کیجئے

یا اللہ! ہمیں ہر خطاو عصیان سے محفوظ رکھئے ہر تقصیر و کوتاہی سے محفوظ رکھئے۔

یا اللہ! ہم کو اپنے نبی الرحمۃ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شرمندگی سے بچالیجئے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش کرنے کے لئے ہم پر اور تمام امت مسلمہ پر رحم فرمائیے۔

یا اللہ! آپ کے محبوب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی اس وقت جہاں جہاں بھی ہیں اور دشمنوں کی رد میں ہیں، سازشوں میں ہیں۔ ان کی حفاظت فرمائیے ان کو ہدایت دیجئے اور ان کو دشمنوں سے آزاد کردیجئے۔ اعدائے دین کی سازشوں سے ان کو بچالیجئے۔

دنیوی معاملات خرید وفروخت وغیرہ میں بھی سچ بولنا ضروری ہے

عن ابی خالد حکیم بن حزام، رضی الله عنه، قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: البیعان بالخیار مال یتفرقا، فان صدقا وبینا یورک لهما فی بیعهما، وان کتما وکذبا محقت برکة بیبعهما (متفق علیه)

ترجمہ: حضرت ابوخالد حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (قاعدہ مقرر) فرمایا ہے کہ: بائع اور مشتری (بیچنے والا اور خریدنے والا) دونوں کو (بیچنے نہ بیچنے، خریدنے نہ خریدنے کا) اختیار رہتا ہے جب تک کہ وہ ایک دوسرے سے الگ نہ ہوں پس اگر ان دونوں نے سچ بولا (اور مال کے عیب دار یا بے عیب ہونے کو ظاہر کردیا) اور بتلا دیا (کہ یہ مال ایسا ہے) تو ان کے اس سودے میں دونوں کے لئے برکت عطا فرما دی جائے گی اور اگر (عیب کو) چھپایا (اور جھوٹ بولا) تو ان دونوں کے سودے کی برکت مٹادی جائے گی۔

تشریح! دنیوی معاملات میں جھوٹ بولنا

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس طرح دینی امور میں سچ بولنا ضروری ہے اسی طرح دنیوی امور اور معاملات میں بھی سچ بولنا ضروری ہے بلکہ دنیوی امور اور معاملات میں لین دین میں، خرید وفروخت وغیرہ میں جھوٹ تو صرف جھوٹ ہی نہیں بلکہ دھوکہ دہی اور ضرر رسانی بھی ہے اور حقوق اللہ سے متعلق نہیں کہ توبہ واستغفار سے معاف ہو جائے بلکہ حقوق العباد سے تعلق رکھتا ہے اس لئے جب تک متعلقہ شخص یا اشخاص کا حق ادا نہ کیا جائے اور نقصان کی تلافی نہ کی جائے یا معاف نہ کرایا جائے اس وقت تک اس کی سزا سے بچنا ممکن نہیں۔

ہمارے معاشرہ کی حالت

ہمارے موجودہ معاشرہ میں ویسے تو تمام ہی دنیاوی امور خصوصاً لین دین خرید وفروخت وغیرہ سرتاسر جھوٹ دھوکے اور فریب پر چل رہے ہیں مگر بدقسمتی سے جو لوگ روزہ نماز کے پابند ہیں اور دیانتدار و پرہیزگار کہلاتے ہیں وہ بھی ان معاملات میں جھوٹ بولنے کو جھوٹ ہی نہیں سمجھتے۔ چیز دکان پر ہوگی اور کہہ دیں گے نہیں ہے نقلی چیز ہوگی بلاتکلف اس کو اصلی بتلا دیں گے علی ہذا القیاس۔

اس حدیث سے کیا سبق لینا چاہئے

اس حدیث سے ہماری آنکھیں کھل جانی چاہئیں اور عہد کر لینا چاہئے کہ کسی بھی معاملہ میں کسی بھی صورت میں جھوٹ ہرگز نہ بولیں گے چاہے سچ بولنے میں کتنا ہی نقصان ہو دشواریاں پیش آئیں نقصان اٹھانے پڑیں، ناراضگیاں مول لینی پڑیں اگر ہم صدق دل سے یہ عہد کریں گے اور اس پر قائم رہیں گے تو اللہ تعالیٰ ضرور ہماری مدد فرمائیں گے یا نقصانات سے بالکل ہی بچادیں گے یا ان کی تلافی فرما دیں گے یہی مطلب ہے حدیث کے فقرہ بورک لهمافیه کا۔

مراقبہ کے معنی اور اس کی تشریح

مراقبہ کے لفظی معنی ہیں "نگرانی کرنا"، یعنی کسی کے ہر نیک وبد، اچھے برے، قول وفعل اور نقل وحرکت سے پوری طرح باخبر رہنا اور ان کو محفوظ رکھنا تاکہ اچھے اور نیک کاموں کا صلہ اور جزائے خیر دی جاسکے اور برے اور بدکاموں کی سزادی جاسکے اس نگرانی کے مؤثر اور نتیجہ خیز ہونے کے لئے نگرانی کرنے والے میں تین وصف پائے جانے ضروری ہیں (۱) اول اس شخص پر نگرانی کرنے والے کا کامل استحقاق ہو، جس کی وہ نگرانی کرتا ہے (۲) دوسرے اس شخص

کے ہر ہر قول وفعل اور نقل وحرکت کا اس نگران کو ایسا پختہ اور یقینی علم ہو اور وہ ایسا باخبر ہو کہ کتنا ہی چوری چھپے تنہائیوں، پردوں اور تہہ خانوں میں چھپ کر بھی کچھ کیا جائے اس یقین کے ساتھ کہ یہاں نہ کوئی دیکھنے والا ہے نہ ہی کسی کو اس حرکت کی کسی طرح خبر ہوسکتی ہے تب بھی اس نگرانی کرنے والے کو اس کا پورا پورا علم ہو جائے اور اس سے چھپا نہ رہ سکے (۳) تیسرے نگرانی کرنے والے کو ہر اچھے برے نیک وبد کام اور فرمانبرداری ونافرمانی کی جزا اور سزا دینے کی کامل قدرت اور مکمل اختیار حاصل ہو اس قدرت واختیار کا جتنا پختہ علم اور یقین ہوگا اسی قدر اس نگران کا خوف اس شخص پر غالب اور مسلط ہوگا اسی قدر بدی اور بدکاری اور اس نگران کی نافرمانی وناراضگی سے ڈرے گا ہر وقت اور ہر کام میں پوری احتیاط رکھے گا کہ کوئی قول وفعل اور نقل وحرکت نگران کے منشا اور حکم کے خلاف سرزد نہ ہو جائے۔

خدائے قدوس کی ذات وصفات پر اعتقاد وایمان رکھنے والے ہر مسلمان کا عقیدہ اور ایمان ہے کہ یہ تینوں وصف اللہ تعالیٰ کی ذات سے بڑھ کر کسی اور ہستی میں تصور بھی نہیں کئے جاسکتے وہ نہ صرف انسانوں کا بلکہ تمام کائنات کا خالق ومالک مالک الملک رب العالمین ہے فعال لمایرید (جو بھی ارادہ کرے فوراً کر گزرے) اس کی شان ہے وہ نہ صرف انسانوں کے قول وفعل، بلکہ دل میں چھپے ہوئے خیالات، نیتوں اور ارادوں سے بھی رتی رتی واقف اور باخبر ہے اس کو دنیا اور آخرت دونوں میں جزا اور سزا دینے کی ایسی کامل قدرت حاصل ہے کہ اس کے دائرہ اختیار اور حدود قدرت سے کوئی بھی انسان، کسی بھی صورت میں باہر نہیں ہوسکتا اس کے قہر وغضب سے نہ زمین میں پناہ مل سکتی ہے نہ آسمان میں نہ ہی کوئی کسی کو اس کے قہر وغضب سے بچا سکتا ہے اللہ تعالیٰ کے یہی تینوں اوصاف مندرجہ ذیل آیات واحادیث میں مذکور ہیں اسی لئے اللہ تعالیٰ کے مقدس ناموں میں ایک نام رقیب بھی ہے، جس کے معنی ہیں "نگران" یا نگرانی کرنے والا" قرآن کریم کی متعدد آیات میں یہ نام آیا ہے۔

دنیوی امور میں محاسبہ کا عظیم فائدہ

یہ محاسبہ جس طرح اللہ کی عبادت وطاعت اور دینی فرائض کے انجام دینے میں اور ان کے ذریعہ قرب خداوندی حاصل کرنے میں بے حد نافع اور مفید ہے اسی طرح دنیوی معاملات اور کاروباری امور مثلاً تجارت، زراعت، ملازمت وغیرہ کو کامیاب طریق پر انجام دے کر دنیاوی منافع حاصل کرنے اور نقصانات سے بچنے یا ان کی تلافی کرنے کے بارے میں بھی غایت درجہ مفید ہے۔

روزانہ محاسبہ کا طریقہ

روزانہ سونے سے پہلے بستر پر لیٹ کر آنکھیں بند کر کے اپنے دن بھر کے کئے ہوئے دینی اور دنیوی کاموں کا جائزہ لے کر اور دوسرے دن اس جائزہ کی روشنی میں کام کر کے دیکھئے انشاء اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت دونوں کے اعتبار سے اس "عمل" کو انتہا درجہ مفید پائیں گے۔

صوفیا کے ہاں مراقبہ

حضرات صوفیا اور ارباب باطن کے ہاں چونکہ دل میں غیر اللہ کا خیال اور تصور بھی مانع قرب الٰہی ہے اس لئے تصوف کی اصطلاح میں قلب کو غیر اللہ۔ اللہ کے ماسوا۔ سے فارغ اور پاک کرنے کی غرض سے مراقبہ ایک اہم ترین ریاضت وعبادت ہے۔

دُعا کیجئے

یا اللہ! ہم کو اپنے نبی الرحمۃ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شرمندگی سے بچا لیجئے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش کرنے کے لئے ہم پر اور تمام امت مسلمہ پر رحم فرمائیے۔

ایمان‘ اسلام‘ احسان اور علامات قیامت کا بیان

عن عمر بن الخطاب، رضى الله عنه، قال: بينما نحن جلوس عند رسول الله صلى الله عليه وسلم، ذات يوم اذ طلع علينا رجل شديد بياض الثياب شديد سواد الشعر، لا يرى عليه اثر السفر، ولا يعرفه منا احد، حتى جلس الى النبى صلى الله عليه وسلم... (رياض الصالحين)

ترجمہ: حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: ہم ایک دن خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اسی اثناء میں ایک سفید براق لباس اور کالے سیاہ بالوں والا شخص نمودار ہوا نہ اس پر سفر (اور مسافر ہونے) کے آثار ظاہر تھے (کہ ہم سمجھتے اجنبی مسافر ہے) نہ ہی ہم میں سے کوئی اس کو پہچانتا تھا (کہ اس کا مقامی آدمی اور شہری ہونا ظاہر ہوتا) یہاں تک کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس طرح دوزانو بیٹھا کہ اس نے اپنے گھٹنے آپ کے گھٹنوں سے ملا دیئے اور دونوں ہاتھ دونوں رانوں پر رکھ لئے (جیسے کوئی مرید بیعت ہونے کے لئے پیر کے سامنے بیٹھتا ہے) اور کہا: اے محمد! آپ مجھے بتلایئے کہ اسلام کیا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: اسلام یہ ہے کہ تم (زبان سے) لا الہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ کی شہادت (گواہی) دو‘ نماز کو قائم کرو (پابندی کے ساتھ پنجوقتہ باجماعت نماز ادا کرو) زکوٰۃ ادا کرو‘ رمضان کے روزے رکھو بیت اللہ کا حج کرو‘ اس نووارد نے اس پر کہا آپ نے سچ فرمایا‘‘ تو اس پر ہمیں بڑا تعجب ہوا (کہ ایسے عقیدت مندانہ انداز میں) سوال بھی کرتا ہے اور تصدیق وتصویب بھی کرتا ہے (گویا آپ کا امتحان لے رہا ہے) پھر کہا: تو آپ مجھے بتلائیں کہ ایمان کیا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: ایمان یہ ہے کہ تم اللہ (اور اس کی صفات) پر اس کے فرشتوں پر‘ کتابوں پر‘ رسولوں پر اور یوم آخر (قیامت اور آخرت) پر ایمان لے آؤ (دل سے مان لو) اور اچھی بری تقدیر پر (بھی) ایمان لے آؤ (دل سے مان لو) اس پر بھی اس نے کہا (درست ہے) آپ نے سچ فرمایا‘‘۔ تو اب آپ یہ بتلایئے کہ احسان کیا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا‘ احسان (حسن عمل) یہ ہے کہ تم اللہ کی اس طرح عبادت کرو جیسے تم اسے دیکھ رہے ہو (اور وہ تمہیں دیکھ رہا ہے) اور اگر تم اس کو نہ دیکھ پاؤ (یعنی اگر تم کو یہ مشاہدہ کا مرتبہ میسر نہ آئے کہ تم اسے دیکھ رہے ہو) تو (کم از کم اتنا تو دل سے) یقین رکھو کہ وہ تمہیں ضرور دیکھ رہا ہے (اور تمہاری نگرانی کر رہا ہے) پھر اس نووارد نے کہا: تو اب آپ مجھے قیامت کے بارے میں بتایئے (کہ وہ کب آئے گی؟) اس پر آپ نے ارشاد فرمایا: اس کا تو جواب دینے والے کو بھی سوال کرنے والے سے زیادہ علم نہیں ہے (یعنی نہ تم جانتے ہو نہ میں کہ قیامت کب آئے گی؟ اس کو تو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا) اس پر اس نے کہا: تو آپ کچھ قرب قیامت کی علامتیں تو بتلا دیجئے آپ نے ارشاد فرمایا قرب قیامت کی علامت یہ ہے کہ کنیزیں اپنے آقاؤں کو جننے لگیں گی (یعنی خانگی روابط وتعلقات میں ایسا انقلاب آ جائے گا اور ماں باپ کی نافرمانی اس قدر بڑھ جائے گی کہ اولاد ماں باپ کے ساتھ ایسا برتاؤ کرے گی کہ مائیں اپنی لڑکیوں کے سامنے ان کی لونڈیاں معلوم ہوں گی اور باپ اپنے لڑکوں کے سامنے ان کے غلام محسوس ہوں گے) اور یہ کہ تم ننگے پاؤں‘ ننگے بدن بکریاں چرانے والے گڈریوں کو دیکھو گے کہ وہ ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر شاندار عمارتیں (کوٹھی‘ بنگلے) بنانے لگیں گے (یعنی ایسا انقلاب آ جائے گا کہ ننگے بھوکے اور نان شبینہ تک کے محتاج لوگ اس

قدر دولت مند اور مالدار بن جائیں گے کہ جہالت کی وجہ سے مال و دولت کا مصرف ان کے ہاں اس کے سوا نہ رہے گا کہ وہ ایک دوسرے پر اپنی بڑائی جتلانے اور شیخی بگھارنے کی غرض سے شاندار عمارتیں بنوانے ہی میں دولت صرف کریں گے نہ ان کو مخلوق خدا کی حاجت برآری سے مطلب ہوگا نہ قومی اور اجتماعی زندگی کی ضروریات اور رفاہ عام کے کاموں سے) پھر وہ نو وارد سائل اٹھ کر چلا گیا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں کچھ دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکا تو (ایک دن جب میں حاضر ہوا تو) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عمر تمہیں معلوم ہے کہ (وہ نو وارد عجیب وغریب حلیہ اور انداز والا) سائل کون تھا؟ میں نے عرض کیا: اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ہی جانیں (مجھے تو معلوم نہیں) تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ جبرائیل علیہ السلام تھے، تم کو دین کی تعلیم دینے کی غرض سے آئے تھے (اور دین کے اہم ترین بنیادی اصول واحکام کے سوالات کئے تھے تاکہ میں جواب دوں وہ تصدیق وتائید کریں اور تم سنو اور یاد رکھو۔ صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے: تم تو مجھ سے سوال کرتے نہیں (ڈرتے ہو) اس لئے وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے سائل بن کر آئے تھے دین (کے بنیادی امور) کی تعلیم کی غرض سے (کہ ایسے اہم امور کے متعلق سوال کرنے چاہئیں اور ایسے ادب کے ساتھ اس میں کچھ حرج نہیں)

تصوف کی اصطلاح میں مراقبہ کے معنی

تصوف کی اصطلاح میں مراقبہ کے معنی یہ ہیں کہ: زیادہ سے زیادہ یکسوئی کے وقت، تنہائی میں آنکھیں بند کر کے ہمہ تن وہمہ شعور اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر اس طرح بیٹھنا کہ پورے یقین کے ساتھ یہ باور کرے کہ میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں بیٹھا ہوں اور وہ مجھے اور میرے دل کو دیکھ رہے ہیں اور میرا دل اللہ اللہ کہہ رہا ہے اسی کا نام ذکر قلبی ہے یہ قلبی اور روحانی ریاضت یعنی یہ مراقبہ جس قدر اور جتنی دیر میسر اور ممکن ہو روزانہ کرنا چاہئے۔

مشاہدہ

اس مراقبہ کی مواظبت اور روزانہ پابندی سے رفتہ رفتہ ترقی کر کے سالک مقام شہود پر پہنچ جاتا ہے یعنی ہر ہر عبادت خصوصاً مراقبہ کے وقت پورے یقین کے ساتھ یہ محسوس کرتا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہوں اور وہ میرے سامنے ہے پہلے مرتبہ کا نام مراقبہ ہے اور دوسرے مرتبہ کا نام مشاہدہ ہے احادیث کے بیان میں آپ حضرت جبرائیل علیہ السلام کی حدیث کے ذیل میں ان دونوں مرتبوں کا ذکر پڑھیں گے ظاہر ہے کہ یہ عبادت میں اخلاص کا آخری اور انتہائی مقام ہے۔ جس کو حدیث جبریل میں احسان کے عنوان سے تعبیر کیا ہے۔

طریقت اور شریعت

واضح ہو کہ تصوف اور طریقت، شریعت سے کوئی علیحدہ اور جدا چیز نہیں ہے بلکہ شریعت کے آخری اور مطلوب مقام اخلاص تک پہنچنے کے طریقوں اور ریاضتوں کا نام تصوف یا طریقت ہے یہ جملہ معترضہ تھا اب ہم مراقبہ کے مضمون اور آیات قرآن عظیم سے اس کے ربط وتعلق پر روشنی ڈالنا چاہتے ہیں۔

قیامت کے متعلق امام نووی علیہ الرحمۃ کی تشریح

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: لونڈیاں اپنے ماؤں کو جننے لگیں گی، اس کے معنی یہ ہیں کہ قیامت کے قریب لوگوں میں اپنی لونڈیوں کو "داشتہ" کے طور پر استعمال کرنے کا رواج عام ہو جائے گا تو ان داشتہ کنیزوں سے جو اولاد ہوگی وہ اپنے باپ کی طرح آزاد بھی ہوگی اور اپنی ماؤں کی مالک بھی ہوگی فرماتے ہیں اس کے علاوہ بھی علماء حدیث نے اس فقرہ کے معنی بیان کئے ہیں۔

دین کے معنی اور اس کے بنیادی ارکان

دین عقائد و اعمال کے مجموعے کا نام ہے عقائد کا تعلق قلب سے ہے اور اعمال کا تعلق جوارح۔ اعضا ہاتھ' پاؤں' آنکھ کان زبان وغیرہ۔ سے ہے اور کتاب کے پہلے باب میں آپ تفصیل کے ساتھ پڑھ چکے ہیں کہ اخلاص خالص عبادت کی نیت۔ کے بغیر کوئی بھی عبادت و طاعت حتیٰ کہ ایمان بھی۔ اللہ کے ہاں مقبول و معتبر اور ذریعۂ نجات نہیں بن سکتی اس لئے شریعت کی اصطلاح میں ''مجموعہ عقائد'' اللہ کی ذات و صفات پر' اس کے فرشتوں پر' کتابوں پر' رسولوں پر' یوم آخر (آخرت) پر اچھی بری تقدیر کے برحق ہونے پر سچے دل سے اعتقاد رکھنے اور ماننے۔ کا نام ایمان ہے اور مجموعہ اعمال۔ زبان سے شہادتین (توحید و رسالت کی گواہی) کا اقرار کرنا' نماز' زکوٰۃ' روزہ اور حج ادا کرنے کا نام اسلام ہے اور اخلاص نیک نیتی کے ساتھ صرف اللہ تعالیٰ کے لئے عبادت کرنے کا نام احسان ہے یعنی اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر یقین کر کے صرف اسی کے لئے عبادت کرنا۔

دین کے بنیادی ارکان

لہٰذا دین کے اساسی ارکان اور جوہری اصول تین ہیں (۱) ایک ایمان (۲) دوسرا اسلام (۳) اور تیسرا احسان

پورے دین کا نام بھی اسلام ہے

یاد رکھئے اسلام کے مذکورہ بالا معنی اس صورت میں ہیں جبکہ اسلام کا لفظ ایمان کے مقابلہ پر استعمال ہو ورنہ ''پورے دین''یعنی مجموعہ عقائد و اعمال و اخلاص کا نام بھی اسلام ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

بیشک اللہ کے نزدیک (پسندیدہ) دین اسلام ہے

احسان کا تعلق مراقبہ سے

سادہ لفظوں میں حدیث جبرائیل علیہ السلام کی روشنی میں۔ احسان کا معنی ہیں پورے یقین کے ساتھ اللہ کو حاضر و ناظر اور بندوں کے اعمال کا نگران جان کر' پورے خلوص کے ساتھ' اس کی عبادت کرنا' اس احسان کے دو مرتبے ہیں (۱) ایک اعلیٰ مرتبہ مشاہدہ ہے جو حدیث جبرئیل میں کانک تراہ۔ گویا

(اردو میں ''گویا'' اور عربی میں کان کا لفظ اس لئے لایا گیا ہے کہ اس مادی دنیا میں اللہ تعالیٰ کو دیکھنا انسانی قدرت سے قطعاً باہر ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ اس کا قطعی ثبوت ہے اسی طرح مشاہدہ کا مطلب بھی اس کے انوار و تجلیات کا مشاہدہ ہے)

گویا تو اس کو دیکھ رہا ہے کے عنوان سے مذکور ہے یہ مرتبہ سالہا سال کی عبادتوں اور ریاضتوں کے بعد بھی خال خال عارفین کو میسر آتا ہے (۲) دوسرا مرتبہ مراقبہ ہے جو حدیث جبرئیل میں فانہ یراک پس بیشک وہ تجھ کو ضرور دیکھ رہا ہے کے عنوان سے مذکور ہے اس مرتبہ کا حصول صرف کامل توجہ الی اللہ پر موقوف ہے جو ہر اس مومن مسلمان کو میسر آ سکتا ہے جو عبادت کے وقت نفس اور شیطان کی مزاحمتوں خیالات اور وسوسوں سے خود کو محفوظ کر لے یعنی عبادت کے وقت اپنے خیال کو ادھر ادھر نہ بھٹکنے دے اور اس یقین کے ساتھ عبادت کرے کہ میں اللہ کے سامنے ہوں اور وہ مجھے دیکھ رہا ہے جیسا کہ آپ قرآن کریم کی آیت کریمہ نمبر (۱) و (۲) و (۴) کے تحت پڑھ چکے ہیں یہی اس حدیث کا مراقبہ سے تعلق ہے اور اسی غرض سے امام نووی اس حدیث کو باب مراقبہ کے تحت لائے ہیں۔

مراقبہ کا یہ درجہ حاصل کرنے کی تدبیر

کم از کم احسان کا یہ مرتبہ جس کا نام مراقبہ ہے حاصل کرنے

کی ہر مسلمان کو کوشش کرنی چاہئے اس کے حصول کے لئے علاوہ روزانہ جس قدر بھی ممکن ہو اس طریق پر مراقبہ میں بیٹھنے کے جس کا ذکر آپ مراقبہ کی تشریح کے ذیل میں پڑھ چکے ہیں یہ تدبیر بھی نہایت کارگر ہے کہ اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کے ذکر میں خواہ زبان سے ہو یا دل سے مصروف رہے اپنی زبان سے پورا کلمہ طیبہ یا صرف اللہ اللہ یا کوئی اور ذکر' سبحان اللہ یا الحمد للہ وغیرہ کرتا ہے اور خاموشی کے وقت دل سے اللہ اللہ کرتا رہے۔ بہت مؤثر تدبیر ہے آپ بھی چند روز تجربہ کر کے دیکھئے۔

حدیث کی جامعیت اور حضرت جبرئیل کے آنے کی وجہ

اس تفصیل کے بعد آپ بآسانی سمجھ سکیں گے جبرئیل علیہ السلام کی یہ حدیث نہ صرف دین کے انہی تینوں بنیادی اصول وارکان پر مشتمل اور جامع ترین حدیث ہے بلکہ مراقبہ اور مشاہدہ اور ان کے باہمی فرق سے متعلق واحد حدیث ہے۔ حضرت جبرئیل کو اللہ تعالیٰ نے بھیج کر ان تینوں ارکان کے سوالات کرنے اور جوابات کی تصدیق وتصویب کرنے کی ہدایت اس لئے فرمائی کہ اول تو صحابہ کرامؓ آپ سے سوالات کرتے ہوئے ڈرتے تھے اللہ تعالیٰ نے کثرت سوالات سے منع فرمادیا تھا۔ علاوہ ازیں شاید وہ اس قدر جامع ومانع سوالات نہ کرسکتے اور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی الٰہی کے ذریعہ جوابات دیئے اور آخر میں فرمادیا: تم تو سوال کرتے نہیں تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے جبرئیل کو تمہیں دین کے بنیادی ارکان کی تعلیم دینے کے لئے بھیجا تھا تاکہ صحابہ کرام اور امت اس حدیث کی اہمیت کو سمجھیں اور یاد رکھیں۔

دُعا کیجئے

یا اللہ! ہمیں ہر خطا وعصیان سے محفوظ رکھئے ہر تقصیر وکوتاہی سے محفوظ رکھئے۔

یا اللہ! ہم کو اپنے نبی الرحمۃ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شرمندگی سے بچالیجئے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش کرنے کے لئے ہم پر اور تمام امت مسلمہ پر رحم فرمائیے۔

یا اللہ! آپ کے محبوب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی اس وقت جہاں جہاں بھی ہیں اور دشمنوں کی رد میں ہیں' سازشوں میں ہیں۔ ان کی حفاظت فرمائیے ان کو ہدایت دیجئے اور ان کو دشمنوں سے آزاد کر دیجئے۔ اعدائے دین کی سازشوں سے ان کو بچالیجئے۔

قرب قیامت کی علامات

عن عمر بن الخطاب، رضی الله عنه، قال: بینما نحن جلوس عند رسول الله صلی الله علیه وسلم، ذات یوم اذ طلع علینا رجل شدید بیاض الثیاب شدید سواد الشعر، لا یری علیه اثر السفر، ولا یعرفه منا احد، حتی جلس الی النبی صلی الله علیه وسلم... (ریاض الصالحین)

تشریح: اس حدیث میں قرب قیامت کی علامات کے سلسلے میں مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے دو اہم ترین چیزیں بیان فرمائی ہیں (۱) ایک یہ کہ عقوق۔ ماں باپ کی نافرمانی۔ اس درجہ بڑھ جائے گی کہ لڑکے تو لڑکے لڑکیوں کے سامنے بھی ماں لونڈی بن کر رہ جائے گی ان کی نقل وحرکت' آمدورفت' میل جول اور چال چلن کی نگرانی اور روک ٹوک تو کیا کرتی اپنی آبرو کے ڈر سے لونڈیوں کی طرح ان کی ہاں میں ہاں ملانے پر مجبور ہو جائے گی اسی طرح لڑکوں کے سامنے باپ کی حیثیت خانہ زار غلام یا نوکر کی ہو جائے گی اس لحاظ سے آخر زمانہ میں گویا مائیں اولاد جننے کے بجائے اپنے آقاؤں کو جنم دینے لگیں گی چنانچہ علامات قیامت کی اور احادیث میں ویکثر العقوق اور ماں باپ کی نافرمانی بہت زیادہ عام ہو جائے گی کی تصریح موجود ہے۔

امام نووی علیہ الرحمۃ کی تشریح پر کلام

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے امۃ اور ربۃ کے الفاظ ان کے حقیقی معنی۔ لونڈی اور مالکن میں رکھ کر اس فقرہ کے معنی یہ بیان کئے کہ لوگ اپنی زرخرید لونڈی کو "داشتہ" کے طور پر استعمال کرنے لگیں گے عربی میں سریہ اس زرخرید لونڈی کو کہتے ہیں جسے مالک ہمبستری کے لئے مخصوص کر لے اس فقرہ کے اس معنی پر گوناگوں اشکال وارد ہوتے ہیں اور تمام اشکالات کے علاوہ جن کی تفصیل شروح حدیث میں موجود ہے سب سے بڑا اشکال یہ ہے کہ قیامت تو ابھی معلوم نہیں کب آئے گی زرخرید لونڈیوں اور غلاموں کا وجود اب سے صدیوں پہلے مفقود ہو چکا قیامت کی علامت تو ایسی عالمگیر چیز ہونی چاہئے کہ جوں جوں قیامت قریب آتی جائے وہ برابر بڑھتی رہے عقوق والدین کی نافرمانی' بیشک عالمگیر اور روز افزوں ہے جس کا ہم شب وروز مشاہدہ کر رہے ہیں اپنے ملک میں بھی اور دنیا کے دوسرے ممالک میں بھی۔ (۲) دوسری علامت کا حاصل یہ ہے کہ آخر زمانہ میں دولت سمٹ کر ایسے بھوکے ننگے اور نااہل لوگوں کے پاس چلی جائیگی جو دولت کو اس کے صحیح مصرف اور حقیقی محل' مخلوق خدا کی حاجت روائی اور قومی وملکی ضروریات' میں خرچ کرنے کے بجائے ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر صرف شیخی اور خود نمائی کے کاموں میں صرف کریں گے اس کا مشاہدہ بھی روز افزوں ہے آج کل کے کروڑ پتیوں کے ماضی اور حال کا جائزہ لے کر دیکھئے حقیقت کھل جائے گی۔

چند ہاتھوں میں دولت کے آجانیکا نقصان

دولت وثروت کے ان نااہلوں کے ہاتھ میں سمٹ کر آجانے کا نقصان صرف اتنا ہی نہیں کہ وہ بے محل اور بے مصرف خرچ ہونے لگتی ہے بلکہ ایک طرف یہ نااہل نو دولتئے اس دولت کے زور سے ملک وقوم کے تمام وسائل معاش اور ذرائع آمدنی پر قابض ہو کر یا خود اقتدار اعلی اور حکومت پر قبضہ کر لیتے ہیں یا ارباب اقتدار اور حکمران ان کے اشاروں پر چلنے پر مجبور ہو جاتے ہیں اور اس طرح بلاواسطہ یا بالواسطہ اقتدار اعلیٰ انہی چند کروڑ پتیوں اور ارب پتیوں کے ہاتھ آجاتا ہے مخبر صادق صلی

اللہ علیہ وسلم علامات قیامت کے سلسلہ میں اسی خطرہ سے آگاہ فرماتے ہیں ارشاد ہے: جب کام نااہلوں کے سپرد کردیئے جائیں تو اس وقت تم قیامت کا انتظار کرنے لگنا۔

دوسری طرف یہ مسلم اور آزمودہ حقیقت ہے کہ دولت وثروت کی فراوانی اور ریل پیل لازمی طور پر زبردستی نفس پرستی عیاشی' بے لگام شہوت رانی کو اپنے ساتھ لاتی ہے چنانچہ یہ نااہل نودولتیے حرام وحلال کے فرق وامتیاز اور شرم وحیا کو بالائے طاق رکھ کر' شراب خوری' حرام کاری' رقص وسرور اور عیاشی کی ہمت افزائی کرنے لگتے ہیں سودخوری' قماربازی وغیرہ محرمات شرعیہ کو اپنا قابل فخر کارنامہ سمجھنے لگتے ہیں ملک اور قوم کے افلاس زدہ عوام میں اول اول تو ان کی نفسانی خواہشات حرام کاریوں اور بدمستیوں کو بادل نخواستہ پورا کرنے اور ان کا ساتھ دینے پر مجبور ہوتے ہیں بعدازاں رفتہ رفتہ انہی حرام کاریوں اور عیاشیوں کے خود بھی عادی ہوجاتے ہیں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پورا معاشرہ تباہ اور پوری قوم روحانی اور اخلاقی اعتبار سے ہلاک ہوجاتی ہے۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی امت کو نصیحت

مخبر صادق فداہ ابی وامی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے متعلق اسی تباہ کاری اور ہلاکت کے خطرہ کا اظہار خیال کے الفاظ میں فرمایا ہے۔

مجھے تمہارے متعلق فقر اور تنگدستی (سے ہلاکت) کا خطرہ نہیں بلکہ مجھے تمہارے متعلق دنیا (کی دولت وثروت) سے ڈر لگتا ہے جبکہ وہ سمٹ آئے تمہارے پاس پھر تم ایک دوسرے سے (زراندوزی میں) بڑھنے کی دھن میں لگ جاؤ جیسے تم سے پہلی قوموں نے کیا اور پھر وہ دنیا (کی دولت وثروت) تم کو ہلاک کرڈالے جیسے تم سے پہلوں کو ہلاک کرڈالا۔

یہ تمام تر ہلاکت اور تباہ کاری اسی نااہلوں کے ہاتھ میں دولت وثروت سمٹ آنے کا نتیجہ ہے جس کو حدیث جبرئیل علیہ السلام میں قرب قیامت کی علامت قرار دیا ہے یہ وہ حقیقتیں ہیں جن کا ہم آج علانیہ مشاہدہ کررہے ہیں کاش کم ازکم مسلمان قوموں ہی کی آنکھیں کھل جائیں اور وہ اپنے رؤف ورحیم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور شفقت آمیز تعلیمات سے سبق حاصل کرلیں اور خود کو اس آخر زمانہ کی ہلاکت اور تباہی سے بچالیں وفقنا اللہ وایاکم بالخیر امید ہے کہ اس حدیث جبرئیل علیہ السلام کی اہمیت کی بنا پر اس تشریح کی طوالت میں معذور سمجھیں گے۔

دُعا کیجئے

یا اللہ! آپ کے محبوب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی اس وقت جہاں جہاں بھی ہیں اور دشمنوں کی زد میں ہیں' سازشوں میں ہیں۔ان کی حفاظت فرمایئے ان کو ہدایت دیجئے اور ان کو دشمنوں سے آزاد کردیجئے۔اعدائے دین کی سازشوں سے ان کو بچالیجئے۔

یا اللہ! تمام ممالک اسلامیہ میں پھر اسلام کی حیات طیبہ عطا فرمادیجئے۔ان کی اعانت ونصرت فرمایئے۔

یا اللہ! یہ ملک پاکستان جو اسلام کے نام پر قائم ہوا تھا اس کو گمراہیوں سے بچایئے۔ ہر قسم کے فواحش ومنکرات سے جو رائج الوقت ہورہے ہیں۔ان سے محفوظ رکھئے۔

نیکیاں بدیوں کو مٹا دیتی ہیں خوش اخلاقی بہت بڑی نیکی ہے

عن ابی ذر جندب بن جنادة معاذ بن جبل رضی الله عنهما، عن رسول الله صلی الله علیه وسلم، قال: واتق الله حیثما کنت، واتبع السیئة الحسنة تمحها، وخالق الناس بخلق حسن، (ترمذی)

ترجمہ: حضرت ابوذر اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ: رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو جہاں بھی تم ہو (اس لئے کہ وہ ہر جگہ تمہارے ساتھ ہوتا ہے اور تم ہر وقت اس کے سامنے ہوتے ہو) اور ہر برائی (اور بدکاری) کے بعد فوراً کوئی نیکی (اور نیک کام) کرلیا کرو تو یہ نیکی اس بدی کو مٹا دے گی اور مخلوق کے ساتھ ہمیشہ خوش اخلاقی سے پیش آیا کرو (کہ یہ خوش اخلاقی بہت بڑی نیکی ہے خدا بھی اس سے خوش ہوتا ہے مخلوق بھی دعائیں دیتی ہے اس لئے یہ نیکی تمہاری بہت سی برائیوں کو مٹاتی رہے گی)

حدیث کا مراقبہ اور محاسبہ سے تعلق

یہ حدیث بھی ہر جگہ اور ہر وقت اللہ تعالیٰ کے حاضر وناظر ہونے اور بندے کے ہر وقت اور ہر حالت میں اس کے زیر نگرانی ہونے کو ثابت کرتی ہے اور آیت نمبر (۲) سے ماخوذ ہے نیز یہ حدیث بھی آیت کریمہ نمبر (۱۴) کی طرح اپنے اعمال کا جائزہ لیتے رہنے کی طرف اشارہ کرتی ہے اس لئے کہ اپنی بدکاریوں اور کوتاہیوں کے احساس کے بعد ہی ان کے ازالہ کے لئے نیکوکاری خصوصاً خوش اخلاقی' اختیار کرنے کا جذبہ پیدا یا تیز تر ہوتا ہے قرآن کریم کی آیت کریمہ ان الحسنات یذھبن السیئات آپ پڑھ ہی چکے ہیں یہی اس حدیث کا مراقبہ کے مضمون سے تعلق ہے۔

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایمان افروز وصیت

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ: میں ایک دن نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے (پیچھے چل رہا) تھا تو آپ نے مجھ سے خطاب کرکے فرمایا اے لڑکے! میں تمہیں چند (ضروری) باتیں بتلاتا ہوں (انہیں ہمیشہ یاد رکھنا)

(۱) تم اللہ کی (عبادت وطاعت کی) حفاظت کرو تو اللہ (دینی اور دنیوی آفتوں سے) تمہاری حفاظت کرے گا۔

(۲) تم اللہ (کے حاضر وناظر ہونے کے یقین) کی حفاظت کرو تو تم اللہ تعالیٰ کو (ہر وقت) اپنے سامنے پاؤ گے (اور مراقبہ کے مرتبہ سے ترقی کرکے مشاہدہ کے مرتبہ پر پہنچ جاؤ گے)

(۳) اور جب بھی سوال کرو تو اللہ تعالیٰ سے ہی سوال کرنا (وہی تمہارے سوال کو پورا کرتا ہے کوئی دوسرا اگر کرتا بھی ہے تو وہ بھی اسی کے حکم سے پورا کرتا ہے)

(۴) اور جب بھی مدد مانگو تو اللہ تعالیٰ سے ہی مدد مانگنا اللہ تعالیٰ ضرور تمہاری مدد کرے گا (یا اپنے کسی بندے سے کرادے گا)

(۵) یاد رکھو! تمام مخلوق بھی اگر تم کو کوئی نفع پہنچانے پر متفق ومتحد ہوجائے تو وہ تمہیں اتنا ہی نفع پہنچاسکیں گے جتنا اللہ تعالیٰ نے (تمہارے مقدر میں) لکھ دیا ہے۔

(۶) اور اگر تمام مخلوق بھی تم کو کوئی نقصان پہنچانے پر متفق ومتحد ہوجائے تو وہ تمہیں اتنا ہی نقصان پہنچاسکیں گے جتنا اللہ

تعالیٰ نے (تمہارے مقدر میں) لکھ دیا ہے (اس لئے نوشتہ تقدیر پر ہی یقین وایمان رکھو اور قناعت کرو مخلوق کی نفع رسانی یا نقصان رسانی کی طرف قطعاً التفات نہ کرو اور کسی کو موردالزام نہ ٹھہراؤ)

(۷) یادرکھو! تقدیر کے قلم (جو لکھنا تھا) لکھ چکے اور نوشتہ ہائے تقدیر خشک ہو چکے (اب نہ اس میں کسی تغیر وتبدل کا امکان ہے اور نہ مٹنے مٹانے کا) امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ جامع ترمذی کی روایت ہے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو صحیح اور حسن کہا ہے ترمذی کے علاوہ اور کتب حدیث میں اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

(۱) تم اللہ تعالیٰ کو ہر وقت یاد رکھو تو اس کو ہر وقت اپنے سامنے پاؤ گے (وہ ہر وقت تمہارے ساتھ ہے)

(۲) تم فراخی اور خوشحالی میں اللہ تعالیٰ کو پہچانو (کہ یہ فراخی وخوشحالی محض اس کا انعام واحسان ہے) تو اللہ تعالیٰ سختی اور تنگدستی میں تمہیں پہچانے گا (کہ یہ میرا وہی شکرگزار بندہ ہے جس نے فراخی وخوشحالی میں مجھے یاد رکھا تھا اور تمہاری سختی اور تنگدستی کو دور کردے گا)

(۳) یادرکھو! جس مصیبت سے تم بچ گئے وہ (دراصل) تم پر آ ہی نہیں سکتی تھی اور جو مصیبت تم پر آئی اس سے تم (کسی طرح) بچ ہی نہیں سکتے تھے (یعنی جو مقدر میں ہے وہ ہو کر رہتا ہے اور جو نہیں ہے وہ کبھی ہو ہی نہیں سکتا)

وصیتوں کا تجزیہ کونسی وصیت کس باب سے متعلق ہے

اس حدیث کی پہلی روایت میں سات وصیتیں مذکور ہیں ان میں سے

۱- میں تقویٰ کی تعلیم ہے جس کا تفصیلی بیان اگلے باب میں آتا ہے۔

۲- مراقبہ اور اللہ کی نگرانی سے متعلق ہے اسی جزو کی وجہ سے امام نووی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کو مراقبہ کے باب میں لائے ہیں

۳و۴- کا تعلق استعانت باللہ۔ اللہ ہی سے مدد مانگنے سے ہے۔ جو توکل کے تحت داخل ہے اور باب الیقین والتوکل کے ذیل میں اس کا بیان آتا ہے اس استعانت باللہ کا ماخذ سورۃ فاتحہ کی آیت کریمہ **ایاک نعبدو ایاک نستعین** ہے۔ تیری ہی ہم عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے ہم مدد مانگتے ہیں۔

۵و۶و۷- کا تعلق ایمان بالقدر سے ہے جس کا ذکر آپ حدیث جبرئیل علیہ السلام کے ذیل میں پڑھ چکے ہیں۔

دوسری روایت میں چار وصیتیں مذکور ہیں ان میں سے (۱) کا تعلق مراقبہ سے ہے جس کا تفصیلی بیان اسی باب میں آپ پڑھ چکے ہیں اور (۲) کا تعلق شکر سے ہے اور اس کا ماخذ آیت کریمہ ذیل ہے۔

بخدا اگر تم شکرادا کرو گے تو یقیناً میں تم کو اور زیادہ (نعمتیں) دوں گا اور بخدا اگر تم نے ناشکری کی تو (یادرکھو) میرا عذاب بہت ہی سخت ہے۔

نمبر (۳) کا تعلق ایمان بالقدر سے ہے اور
نمبر (۴) کا تعلق صبر سے ہے جس کا تفصیلی بیان آپ مستقل باب کے تحت پڑھ چکے ہیں۔

اس حدیث کی اہمیت

اس حدیث پاک میں مراقبہ اللہ کی نگرانی اور ذکر اللہ اللہ کی یاد کی اہمیت ضرورت اور منفعت کی تعلیم کے علاوہ شفیق اعظم ہادی برحق نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو استعانت باللہ ایمان بالقدر اور صبر وشکر سے متعلق ایسی زریں وصیتوں اور بیش بہا نصیحتوں کی بھی تعلیم دی ہے کہ اگر مسلمان ان کو اپنے دلوں پر پتھر کی لکیر کی طرح نقش کرلیں تو ایک طرف اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی اور آخرت کی فلاح وکامرانی ان کے لئے یقینی ہو

جائے دوسری طرف نہ صرف دنیوی زندگی کی تمام دشواریاں آسان اور مشکلات حل ہو جائیں بلکہ دنیا میں مصائب وتکالیف جن سے اس زندگی میں کوئی نہیں بچ سکتا کا باوقار مردانہ وار مقابلہ کرکے نہایت عزت وعظمت اور فلاح وکامرانی کی زندگی بسر کر سکیں نہ کسی تکلیف ومصیبت میں کسی کے بزدلانہ گلہ وشکوہ کی نوبت آئے اور نہ کسی کو اپنی مصیبت وتکلیف کا ذمہ دار قرار دے کر برا بھلا کہنے کی حماقت ان سے سرزد ہو۔

ہماری بے حسی یا بدقسمتی

یہ ہماری بے حسی یا بدقسمتی ہے کہ ہم اپنے مشفق اعظم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے سرے سے بے خبر ہیں اگر اتفاق سے کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں پڑھنے یا وعظ خطبہ وغیرہ میں سننے کی توفیق بھی ہوتی ہے تو محض عقیدت واحترام کی نیت سے پڑھ یا سن لیتے ہیں ان پر عمل کرنے یا زندگی میں ان سے فائدہ اٹھانے کی طرف توجہ مطلق نہیں ہوتی کتنی بڑی محرومی ہے اللہ رحم کرے۔

بچوں کو اوائل عمر میں ہی یہ وصیتیں یاد کرا دینی چاہئیں

راوی حدیث حضرت ابن عباس جن کی عمر اس وقت صرف ۹ یا ۱۰ سال کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یا غلام' اے لڑکے' کے شفقت بھرے الفاظ سے خطاب فرما کر ان زریں نصائح کو بیان کرنے کا منشا یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے نوعمر لڑکوں اور لڑکیوں کو اوائل عمر سے ہی یہ نصیحتیں یاد کرا دینا چاہتے ہیں تا کہ ان کے دلوں میں بچپن سے ہی راسخ ہو جائیں اور ایمان واعتقاد کا جزو بن جائیں اور ساری عمر وہ ان کی روشنی میں کامیاب وکامران زندگی بسر کر سکیں اور دین ودنیا کی فلاح حاصل کر سکیں۔

غلط فہمی اور اس کا ازالہ

اس حدیث کی پہلی روایت کے فقرہ نمبر (۵) اور دوسری روایت کے فقرہ نمبر (۳) کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ عالم اسباب میں مصائب وآفات اور تکالیف ونقصانات سے بچنے کی ظاہری تدابیر واسباب نہ اختیار کئے جائیں اور سعی وکوشش کو چھوڑ بیٹھیں اس لئے کہ اس تدبیر اور جدوجہد کے تو ہم شرعاً مامور اور مکلّف ہیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ اپنی تدبیروں اور کوششوں پر نیز ظاہری اسباب پر بھروسہ اور اعتماد نہ کریں اور کامیابی کی صورت میں مغرور اور خدا فراموش نہ بن جائیں اور ناکامی کی صورت میں خدا کی رحمت سے مایوس اور اس سے بدظن نہ ہوں نیز ہمت نہ ہاریں خود کو یا کسی دوسرے کو موردالزام ناکامی کا ذمہ دار' نہ ٹھہرائیں تقدیر کو نہ کوسیں بلکہ صدق دل سے یقین واطمینان رکھیں کہ جو کچھ ہوا یا ہو رہا ہے سب منجانب اللہ ہے اسی میں مصلحت ہے گو ہم نہ سمجھیں رہی ہماری تدبیریں اور کوششیں سو وہ تو صرف تعمیل حکم کے لئے تھیں اور ہیں جو کامیابی ہوئی وہ محض اللہ تعالیٰ کا انعام واحسان ہے اس پر شکر ادا کریں اور ناکامی کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت پر بھروسہ رکھیں اور اس سے کامیابی یا ناکامی کے نعم البدل بہترین بدلہ' کی اور رحم وکرم کی دعا مانگیں یہی اچھی بری تقدیر پر ایمان جس کا ذکر آپ حدیث جبرئیل علیہ السلام میں پڑھ چکے ہیں رکھنے کا مطلب ہے خود ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ رہنا اور دنیاوی اسباب وتدابیر کو چھوڑ بیٹھنا نہ ایمان بالقدر ہے اور نہ ہی صبر وتوکل ہے خود رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تدابیر اور اسباب کو اختیار کرنے کا حکم دیا ہے چنانچہ ایک دن ایک شتر سوار دیہاتی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دریافت کیا یا

رسول اللہ! میں اس اونٹ کو کھلا چھوڑ دوں اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کروں یا اس کے گھٹنے باندھ دوں اور پھر اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کروں؟ آپ نے فرمایا: **اعقلها فتو کل** اسے باندھ دواور پھر اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرو یعنی اسباب وتدابیر ضرور اختیار کرومگران پر بھروسہ ہرگز نہ کرو بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ پر کرو۔

اسی طرح پہلی روایت کے فقرہ نمبر (۳) اور (۴) کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ خود آ کر تمہارے سوال کو پورا کرے گا یامدد کرے گا بلکہ مطلب یہ ہے کہ غیر اللہ سے کوئی بھی ہوسوال کرنے یامدد مانگنے کے بجائے جس میں کفروشرک لازم آ جانے کا قوی اندیشہ ہے اللہ تعالیٰ سے ہی سوال کرو اسی سے مدد مانگو وہ اپنے کسی بندے کے دل میں ڈال دے گا وہ تمہارا سوال پورا کردے گا یامدد کرے گا اس کے بعد جو بھی تمہارا سوال پورا کرے یامدد کرے دل سے یقین کرو کہ یہ کارسازی دراصل اللہ تعالیٰ کی ہے اس پر اول اللہ تعالیٰ کا شکر دل وجان سے ادا کرو اس کے ساتھ ہی اس شخص کا بھی شکریہ ادا کرو اس لئے کہ شریعت کا حکم ہے کہ جو تم پر احسان کرے یا تمہاری مدد کرے تم اس کا شکریہ ضرور ادا کرو **من لم یشکر الناس لم یشکر الله** جس نے (احسان کرنے والے) لوگوں کا شکر نہ ادا کیا اس نے اللہ تعالیٰ کا شکر بھی ادا نہیں کیا۔

(۴) اور یہ بھی یاد رکھو! کہ مدد یقیناً صبر کے ساتھ ہے (جو صبر کرتا ہے اس کی ضرور مدد کی جاتی ہے) اور کشائش یقیناً سختی کے ساتھ ہے اور آسانی یقیناً دشواری کے ساتھ ہے (یعنی ہر تکلیف کے بعد راحت اور ہر دشواری کے بعد آسانی ضرور میسر آتی ہے صبر وتحمل کے ساتھ انتظار کرنا چاہئے گھبرانا اور واویلا نہ کرنا چاہئے نہ کوئی مصیبت اور تکلیف دائمی ہوتی ہے اور نہ ہی کوئی مشکل اور دشواری ہمیشہ رہتی ہے)

دُعا کیجئے

یا اللہ! تمام ممالک اسلامیہ میں پھر اسلام کی حیات طیبہ عطا فرمادیجئے۔ ان کی اعانت ونصرت فرمایئے۔

یا اللہ! یہ ملک پاکستان جو اسلام کے نام پر قائم ہوا تھا اس کو گمراہیوں سے بچایئے۔ ہر قسم کے فواحش ومنکرات سے جو رائج الوقت ہورہے ہیں۔ ان سے محفوظ رکھئے۔

یا اللہ! ہمارے قلوب کی صلاحیتیں درست فرمادیجئے' ایمانوں میں تازگی عطا فرمادیجئے۔ تقاضائے ایمان بیدار فرمادیجئے ہمارے دلوں میں گناہوں سے نفرت پیدا فرمادیجئے' غیرت پیدا فرمادیجئے۔

خطاؤں اور گناہوں کی جرأت پیدا ہونے کا سبب

عن انس رضی الله عنه قال: وانکم لتعملون اعمالا هی ادق فی اعینکم من الشعر، کن نعدها علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم من الموبقات، (بخاری)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں بیشک تم آج کل بہت سے ایسے کام کرتے ہو جو تمہاری نظروں میں بال سے بھی زیادہ باریک حقیر اور معمولی ہیں اور ہم رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں انہی کاموں کو ہلاک کر دینے والے کاموں میں سے شمار کیا کرتے تھے (یعنی خدا کی نگرانی سے غفلت اور اس کے محاسبہ کا خوف دلوں میں نہ رہنے کی وجہ سے تمہاری نظروں میں خطاؤں اور چھوٹے موٹے گناہوں کی وہ اہمیت باقی نہیں رہی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض صحبت اور خوف خدا کے غلبہ کی وجہ سے ہماری نظروں میں تھی اس لئے کہ اول تو صغیرہ گناہ کو معمولی اور حقیر سمجھنا خود کبیرہ ہے علاوہ ازیں یہی صغیرہ گناہ بڑھتے بڑھتے کبیرہ گناہوں کے ارتکاب کا سبب بن جاتے ہیں اسی لئے ہم ان صغیرہ گناہوں کو ہلاک کرنے والا سمجھتے تھے غرض خوف خدا اور محاسبہ اعمال کا احساس باقی نہ رہنے کی وجہ سے ہی تم خطاؤں اور گناہوں کے ارتکاب پر اس قدر جری ہو گئے ہو۔

ہماری حالت کے سدھارنے کی تدبیر

جب حضرت انس رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں کہ پوری ایک صدی بھی نہ گزری تھی اتنا بڑا فرق پڑ گیا تھا اور خدا کے قہر وغضب سے بے خوفی وغفلت اور اس کی نگرانی سے لا پروائی اور اس کے نتیجہ میں گناہوں کی جرأت کا یہ عالم تھا تو آج چودہ صدیوں کے بعد کا تو کہنا ہی کیا ہے اسی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں میں غیبت، دھوکہ دہی، جھوٹ، جھوٹی شہادت، دروغ حلفی، سودی کاروبار، ناجائز لین دین جیسے مہلک کبیرہ گناہ اور کھلے ہوئے حرام کام نہ صرف یہ کہ کچھ برے نہیں سمجھے جاتے بلکہ فخریہ بیان کئے جاتے ہیں اس کی وجہ صرف خدا سے بے تعلقی اور اس کے محاسبہ کے خوف اور نگرانی کے یقین کا دلوں سے نکل جانا ہے ہر عبادت وطاعت کے وقت تو ہم خدا کے سامنے ہونے اور اس کے دیکھنے کو تو کیا باور کرتے ہم تو نماز تک میں یہ نہیں سمجھتے کہ ہم خدا کے سامنے کھڑے ہیں اور وہ ہماری نقل وحرکت کو اور ہمارے دلوں اور ان کے ادھر ادھر بھٹکنے والے خیالات کو دیکھ رہا ہے اور یہ کہ ہم اپنے رب سے مناجات کر رہے ہیں اور وہ سن رہا ہے حالانکہ مشفق اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف لفظوں میں آگاہ کیا ہے نمازی نماز میں اپنے رب سے مناجات کرتا ہے اور اس کا رب اس کے اور قبلہ کے درمیان یعنی سامنے ہوتا ہے بڑے افسوس کی بات ہے کہ ہمارے دلوں میں اس قادر مطلق اللہ تعالیٰ کا خوف اتنا بھی نہیں جتنا ایک ٹریفک کے سپاہی کے دل میں اپنے اس افسر کا خوف ہوتا ہے جس کے متعلق اسے یقین ہو کہ اگرچہ افسر مجھے نظر نہیں آ رہا مگر یقیناً وہ کسی خفیہ جگہ سے میری نگرانی کر رہا ہے حالانکہ وہ احکم الحاکمین پکار پکار کر کہہ رہا ہے ان ربک لبالمرصاد۔ بیشک تیرا رب تیری گھات میں ہے۔

اسی تباہ کن صورت حال اور اس کے نتیجہ بد سے قرآن عظیم آیت کریمہ نمبر (۱۴) میں متنبہ کر رہا ہے اور اس کی

اصلاح کی تدبیر محاسبہ اعمال' اپنے اعمال کا جائزہ لینا بتلا رہا ہے مگر وائے محرومی کہ ہماری آنکھیں نہیں کھلتیں صرف اس لئے کہ مراقبہ اللہ کی نگرانی' کا یقین یا ہے نہیں یا نہ ہونے کے برابر ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس صحبت کا بدل

یاد رکھئے اگرچہ خاتم الانبیاء نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی کیمیا اثر صحبت تو آپ کی وفات کے بعد میسر آنا ممکن نہیں مگر آپ کے وہی انفاس قدسیہ کلمات طیبہ اور پورا اسوۂ حسنہ جس سے صحابہ کرامؓ کی کایا پلٹ ہوئی تھی محدثین رحمہم اللہ کی مساعی جمیلہ کے نتیجہ میں کتب حدیث میں موجود ومحفوظ ہے اگر پختہ ایمان سچی عقیدت اور اصلاح کی مخلصانہ نیت کے ساتھ ہم آج ان احادیث کو پڑھیں یا پڑھوا کر سنیں تو وہ ہمارے دلوں سے بھی اس غفلت، وبے خوفی اور لاپروائی کے زنگ کو دور کرنے کے لئے بہت کافی ووافی ہیں بشرطیکہ جیسا چاہے۔ ہمارے دلوں میں خدا کا خوف روز حساب کا ڈر اور اس کے نتیجہ میں عذاب آخرت سے نجات کی جستجو اور اصلاح احوال کا عزم مصمم اٹل ارادہ ہو۔

دُعا کیجئے

یا اللہ! ہم کو اپنی عبادات وطاعات خاصہ کی توفیق' اپنے نبی الرحمۃ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کی توفیق فرمایئے۔

یا اللہ! یا اللہ لغزشوں سے نفس وشیطان کے مکائد سے ہم کو محفوظ فرمایئے۔

یا اللہ! مجبوراً معاشرہ کے غلبہ سے اور نفس وشیطان کے غلبہ سے ہم سے جو فسق وفجور کے کام ہوئے ہیں ہم ان سے نفرت کرتے ہیں اور چھوڑ دینے کا عزم کرتے ہیں۔ مگر ڈرتے ہیں کہ پھر ہم سے ان کا ارتکاب ہو جائے گا۔ یا اللہ آپ ہی محافظ حقیقی ہیں۔ رحم کرنے والے ہیں ہم پر رحم فرمایئے' ہمیں محفوظ رکھئے اور اپنا مورد رحمت بنا لیجئے۔

یا اللہ! ہم سے زیادہ محتاج اور کون ہے' ہم آپ کے فضل وکرم کے بہت محتاج ہیں' ہمیں اپنا فرمانبردار بنا لیجئے' اپنے نبی الرحمۃ صلی اللہ علیہ وسلم کا وفادار' سچا اُمتی بنا دیجئے'

یا اللہ! تمام لعنت زدہ کاموں سے ہمیں بچا لیجئے کہ ہم جن سے آپ ناراض ہوتے ہیں۔ یا اللہ ہم آپ کے مواخذہ کو برداشت نہیں کر سکتے نہ دنیا میں نہ آخرت میں۔

اللہ تعالیٰ کی غیرت

عن ابی هريرة رضی الله عنه عن النبی صلی الل عليه وسلم، قال: وان الله تعالیٰ يغار، وغيرة الله، تعالیٰ، ان ياتی المرء ما حرم الله عليه. (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا: اللہ کو بھی غیرت آتی ہے اور اللہ کو غیرت اس پر آتی ہے کہ انسان وہ کام کرے جو اس نے حرام کئے ہیں۔

غیرت کے معنی اور اللہ تعالیٰ کی طرف اسکی نسبت

غیرت کا لفظ اردو میں دو معنی میں استعمال ہوتا ہے

۱- ایک یہ کہ کوئی شخص یہ سمجھ کر کہ مجھے کوئی نہیں دیکھ رہا کوئی برا کام کرے یا ایسا کام کرے جو خود اگرچہ برا نہ ہو مگر دوسروں کے سامنے وہ کام کرنا معیوب ہو اور اس حالت میں کوئی آجائے یا اسے دیکھ لے تو اگر وہ فوراً اس کو چھوڑ دے یا چھپنے کی کوشش کرے تو یہ غیرت ہے اور اگر نہ کرے تو یہ بے غیرتی ہے گویا یہ غیرت شرم و حیا کے معنی میں ہے اور خود انسان کی ذات اور اس کے اعمال وافعال سے متعلق ہے اس معنی کے اعتبار سے غیرت کی نسبت اللہ تعالیٰ کی حدوث وتغیر کی کیفیات سے مقدس اور منزہ ذات کی طرف ہرگز جائز نہیں اللہ تعالیٰ اس طرح کے نقائص اور کمزوریوں سے پاک اور پاکیزہ ہیں۔

۲- غیرت کا دوسرا استعمال یہ ہے کہ کوئی باپ اپنی اولاد کو یا کوئی آقا اپنے نوکروں کو سختی کے ساتھ کسی کام سے منع کرے اور وہ اولاد یا نوکر خود اس کے سامنے وہ کام کریں تو اس پر اگر اس باپ یا آقا کو ان کی یہ بے پروائی اور دیدہ دلیری غایت درجہ ناگوار گزرے غصہ آئے اور ان کو سزا دینے کے لئے تیار ہو جائے تو یہ غیرت ہے اور وہ باپ یا آقا غیور ہے اگر وہ ایسا نہ کرے تو یہ بے غیرتی ہے اور وہ باپ یا آقا بے غیرت اور بے حمیت ہے سادہ لفظوں میں اس غیرت کے معنی ہیں ناگواری ناراضگی کا اظہار اپنی شفقت ورحمت سے محروم کر دینا اور اس کا تعلق دوسروں کے افعال واعمال سے ہوتا ہے اس فرق کو سمجھنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی غیرت کے معنی سمجھئے۔

اللہ تعالیٰ خالق کائنات اور پروردگار عالم اپنی پروردہ مخلوق انسانوں کو ان حرام کاموں کو کرتا ہوا دیکھتا ہے جن کو اس نے انہی انسانوں کے فائدہ کے لئے حرام کیا ہے تو اس کو اس مخلوق کی یہ بیباکی اور بے غیرتی سخت ناگوار گزرتی ہے اور شدید غصہ آتا ہے اور پھر یا اسی وقت اس حرام کاری اور حرام خوری کی سزا دیتا ہے اور اگر کسی مصلحت کی وجہ سے اسی وقت سزا نہیں بھی دیتا تو ان سے ناراض ضرور ہو جاتا ہے اور اپنی شفقت ورحمت سے ان کو محروم کر دیتا ہے الا یہ کہ وہ اپنے اس گناہ اور نافرمانی کی معافی مانگیں اور آئندہ کے لئے توبہ کریں تو وہ غفور ورحیم پروردگار ان کو معاف کر دیتا ہے اور پھر رحمت وشفقت سے نوازنا شروع کر دیتا ہے مختصر اور سادہ لفظوں میں اللہ تعالیٰ کی غیرت کے معنی ہیں محرمات 'حرام کاموں' کا ارتکاب کرنے والوں سے ناراض ہو جانا یعنی ان کو اپنی رحمت سے محروم کر دینا۔

حدیث کا مراقبہ سے تعلق

یہ حدیث ثابت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ہر

ہر قول اور فعل کی سخت نگرانی کرتے ہیں خاص کر حرام کام کرنے والے نافرمان بندوں کی، اگرچہ وہ یہی سمجھتے رہیں کہ ہمیں کوئی نہیں دیکھ رہا چنانچہ آپ آیت کریمہ نمبر (۳) میں پڑھ چکے ہیں ان ربک لبالمرصا.

یہ واقعہ ہے اگر کسی سچے مومن بندے کو بڑے سے بڑے گناہ کا ارتکاب کرتے وقت یہ خیال آ جائے یا کوئی خیال دلا دے کہ خدا مجھے دیکھ رہا ہے تو فوراً وہ اس گناہ سے باز آ جاتا ہے جیسا کہ آپ کتاب کے پہلے باب میں ان تین آدمیوں کے قصہ میں جو ایک غار میں بند ہو گئے تھے دوسرے آدمی کا واقعہ پڑھ چکے ہیں اور ہم اسی خیال کو ہر وقت متحضر رکھنے کی تدبیر مراقبہ کے بیان میں بتلا چکے ہیں یاد نہ رہی ہو تو اس بیان کو دوبارہ پڑھ لیجئے اور اس پر عمل کیجئے تاکہ آپ غیرت خداوندی کا نشانہ بننے سے محفوظ و مامون رہیں اللہ تعالیٰ آپ کی مدد کرے۔

دُعا کیجئے

یا اللہ! ہم کو اپنی عبادات وطاعات خاصہ کی توفیق، اپنے نبی الرحمۃ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کی توفیق فرمائیے۔

یا اللہ! یا اللہ لغزشوں سے نفس وشیطان کے مکائد سے ہم کو محفوظ فرمائیے۔

یا اللہ! مجبوراً معاشرہ کے غلبہ سے اور نفس وشیطان کے غلبہ سے ہم سے جو فسق وفجور کے کام ہوئے ہیں ہم ان سے نفرت کرتے ہیں اور چھوڑ دینے کا عزم کرتے ہیں۔ مگر ڈرتے ہیں کہ پھر ہم سے ان کا ارتکاب ہو جائے گا۔ یا اللہ آپ ہی محافظ حقیقی ہیں۔ رحم کرنے والے ہیں ہم پر رحم فرمائیے، ہمیں محفوظ رکھئے اور اپنا مور دِ رحمت بنا لیجئے۔

یا اللہ! ہم سے زیادہ محتاج اور کون ہے، ہم آپ کے فضل وکرم کے بہت محتاج ہیں، ہمیں اپنا فرمانبردار بنا لیجئے، اپنے نبی الرحمۃ صلی اللہ علیہ وسلم کا وفادار، سچا اُمتی بنا دیجئے،

یا اللہ! تمام لعنت زدہ کاموں سے ہمیں بچا لیجئے کہ ہم جن سے آپ ناراض ہوتے ہیں۔

یا اللہ! ہم آپ کے مواخذہ کو برداشت نہیں کر سکتے نہ دنیا میں نہ آخرت میں۔

اللہ تعالیٰ کی نگرانی کا ایک عجیب واقعہ

عن ابی هریرة رضی الله عنه انه سمع النبی صلی الله علیه وسلم یقول: ان ثلاثة من بنی اسرائیل: ابرص، واقرع، واعمی، اراد الله ان یبتلیهم فبعث الیهم ملکا، فاتی الابرص فقال: ای شیء احب الیک؟ قال: لون حسن، وجلد حسن، ویذهب عنی الذی قد قذرنی الناس،

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے تین (مصیبت زدہ روگی) آدمیوں کو ان پر حجت قائم کرنے کی غرض سے آزمانا چاہا ایک جذامی دوسرا گنجا تیسرا اندھا تو اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ کو (انسانی شکل میں) بھیجا وہ جذامی کے پاس آیا اور کہا: بتلا تجھے کیا چیز سب سے زیادہ پسند ہے؟ اس نے کہا: دل آویز رنگ وروپ اور خوش رنگ (بدن کی) کھال مجھے محبوب ہے اور یہ جذام جس کی وجہ سے مجھے لوگوں نے گندا (اور اچھوت) بنا رکھا ہے اس سے مجھے نجات مل جائے فرشتہ نے اس کے بدن پر ہاتھ پھیرا وہ ساری گندگی (جذام کا اثر) ایک دم جاتی رہی اور نہایت حسین رنگ وروپ اور دلکش (بدن کی) کھال اس کو دے دی گئی فرشتہ نے کہا: اب بتا تجھے کون سی قسم کا مال سب سے زیادہ پسند ہے؟ اس نے بتلایا: اونٹ یا گائیں راوی کو شک ہے (کہ اونٹ کہا یا گائیں) چنانچہ اسے ایک ماہ کی گابھن اونٹنی دے دی گئی اور فرشتہ نے اس کو دعا دی خدا تجھے اس میں برکت دے (اور اونٹوں کی نسل میں زیادہ سے زیادہ اضافہ ہو) اس کے بعد گنجے کے پاس آیا اور اس سے پوچھا: تجھے کون سی چیز سب سے زیادہ پسند ہے؟ اس نے کہا خوبصورت (لمبے لمبے) بال مجھے سب سے زیادہ محبوب ہیں اور یہ جو گنج ہے جس کی وجہ سے لوگوں نے مجھے گندا پلید بنا رکھا ہے یہ جاتا رہے فرشتہ نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اس کا گنج فوراً جاتا رہا اور خوبصورت (لمبے لمبے) بال اس کو دے دیئے گئے اس کے بعد فرشتہ نے پوچھا: اب بتا تجھے کون سی قسم کا مال زیادہ پسند ہے اس نے کہا گائیں، چنانچہ اسی وقت ایک گابھن گائے اس کو دے دی گئی اور فرشتہ نے دعا دی: اللہ تجھے اس میں برکت عطا فرمائے اس کے بعد فرشتہ اندھے کے پاس آیا اور اس سے پوچھا تجھے کون سی چیز سب سے زیادہ محبوب ہے؟ اس نے کہا کہ مجھے تو بس خدا بینائی عطا کر دے (اور کچھ نہیں چاہئے) چنانچہ فرشتہ نے اس کے چہرہ پر ہاتھ پھیرا تو اللہ نے اسی وقت اس کی بینائی واپس کر دی پھر فرشتہ نے پوچھا اب تجھے کون سی قسم کا مال پسند ہے؟ اس نے کہا مجھے تو بھیڑ بکریاں پسند ہیں چنانچہ اس کو ایک گابھن بکری دے دی گئی اور فرشتہ نے اس کو بھی برکت کی دعا دی اور چلا گیا۔

مال ودولت کی فراوانی اور اس کا نتیجہ

چنانچہ جذامی، گنجے اور اندھے تینوں کے ہاں اونٹوں، گایوں اور بھیڑ بکریوں کے خوب بچے ہوئے اور خوب نسلیں بڑھیں اور تینوں خوب مالدار ہو گئے جذامی کے ہاں اونٹوں (کے گلہ) سے وادی بھر گئی اور گنجے کے ہاں گائیں بھینسوں کے گلے سے وادی بھر گئی اور اندھے کے ہاں بھیڑ بکریوں (کے ریوڑ) سے وادی بھر گئی۔

تو پھر وہی فرشتہ جذامی کے پاس بالکل اسی کی سی (جذامی) شکل وصورت اور حلیہ میں آیا (یعنی ایک جذامی آدمی کی صورت

میں) اور کہا: بابا! میں ایک مسکین محتاج اپاہج مسافر ہوں سفر جاری رکھنے کے وسائل (سواری اور سفر خرچ) سے محروم ہو گیا ہوں اب میرا سہارا اللہ تعالیٰ کے اور پھر تیرے سوا کوئی نہیں میں تجھ سے اس اللہ تعالیٰ کے نام پر جس نے تجھے یہ دلکش رنگ وروپ اور حسین وجمیل جلد عطا کی ہے اور کثیر مال بھی دیا ہے سوال کرتا ہوں کہ تو مجھے (سواری کے لئے) ایک اونٹ دے دے جس سے میں اپنا سفر جاری رکھ سکوں اور پورا کرلوں (وطن پہنچ جاؤں) جذامی بولا: میاں میرے ذمے تو اتنے بہت سارے حقوق ہیں (جن کے لئے یہ مال کافی بھی نہیں، تجھے کہاں سے دے دوں) فرشتہ نے کہا کہ: مجھے تو ایسا یاد پڑتا ہے کہ میں تجھے جانتا پہچانتا ہوں تو وہی جذامی نہیں ہے؟ جس کو لوگ پلید سمجھتے تھے (اور دور بھاگتے تھے) اور کوڑی کوڑی کو تو محتاج تھا پھر اللہ تعالیٰ نے تجھے (محض اپنے فضل سے) یہ (صحت وحسن اور مال ومنال) عطا فرمایا ہے جذامی بولا: جا (جا، میں ایسا کیوں ہوتا) میں تو باپ دادا سے ایسا ہی (حسین وجمیل اور) مالدار چلا آتا ہوں فرشتہ بولا: اگر تو جھوٹ بول رہا ہو تو خدا تجھے پھر ویسا ہی بنادے جیسا تو تھا (چنانچہ وہ اسی حالت کو پہنچ گیا جس پر تھا) اس کے بعد گنجے کے پاس اسی گنجے کی شکل وصورت اور حلیہ میں آیا اور وہی سوال اسی طرح کیا جس طرح جذامی سے کیا تھا گنجے نے بھی اس کو وہی جواب دیا جو جذامی نے دیا تھا اس پر فرشتے نے بھی اس کے جواب میں وہی کہا (کہ کیا تو ایسا ایسا نہ تھا) جو جذامی کے جواب میں کہا تھا اور اس کے بعد کہا: اگر تو جھوٹ بول رہا ہو (اور منعم ومحسن پروردگار کی ناشکری کر رہا ہو) تو خدا تجھے ویسا ہی کردے جیسا تھا (چنانچہ وہ بھی کفران نعمت کی سزا کو پہنچا اور ویسا ہی ہو گیا جیسا تھا) اس کے بعد اندھے کے پاس اسی اندھے کی شکل وصورت اور حلیہ میں آیا اور کہا میں اندھا محتاج مسافر ہوں اور وسائل سفر (سواری اور خرچ راہ) سے محروم ہو گیا ہوں اس وقت اللہ تعالیٰ کے اور اس کے بعد تیرے سوا میرا اور کوئی سہارا نہیں کہ میں اپنا سفر (جاری رکھ سکوں) پورا کروں (اور اپنے دیس پہنچوں) میں تجھ سے اس اللہ تعالیٰ کے نام پر جس نے تجھے بینائی واپس کی (اور مال ودولت سے نوازا) چند بکریوں کا سوال کرتا ہوں جن کے ذریعہ میں اپنی منزل مقصود کو پہنچ سکوں اندھے نے کہا: بیشک میں نابینا تھا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے مجھے دوبارہ بینائی عطا فرما دی (اور اس مال ومنال سے نوازا اس کا لاکھ لاکھ شکر ہے) لہٰذا تم (ان بھیڑ بکریوں کے ریوڑ میں سے) جتنی بھیڑ بکریاں چاہو لے لو اور جتنی چاہو چھوڑ دو (تمہیں اختیار ہے) اللہ تعالیٰ کی قسم جو بھی تم اللہ تعالیٰ کے نام پر لوگے میں اس پر مطلق ناگواری کا اظہار نہ کروں گا (تم بلا تکلف جو چاہو اور جتنا چاہو لے لو) تو اس پر فرشتہ نے کہا: تمہارا مال تمہیں مبارک ہو واقعہ صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے تم تینوں آدمیوں (کے صبر وشکر) کا امتحان لیا گیا ہے (تمہیں خوشخبری ہو کہ) اللہ تم سے (تمہاری احسان شناسی اور شکر گزاری پر) خوش ہو گیا اور تمہارے دونوں ساتھیوں (جذامی اور گنجے) سے (ان کی ناشکری اور جھوٹ بولنے پر) ناراض ہو گیا (اور اس ناشکری کی سزا میں ان کو ویسا ہی جذامی اور گنجا بنا دیا)

اللہ تعالیٰ کی نگرانی کا ایک عبرت آموز واقعہ اور امت محمدیہ کو اس سے سبق لینے کی ہدایت

یہ اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں کے صبر وشکر کی نگرانی اور آزمائش سے متعلق کسی پہلی امت کا ایک واقعہ ہے مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے مالدار اور خوشحال لوگوں کی تنبیہ اور عبرت کے لئے بیان فرمایا ہے یہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی رافت ورحمت کا نتیجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی اس طرح فرشتوں کے ذریعہ بطور امتحان آزمائش نہیں کرتے اور ہاتھ

کے ہاتھ بغیر توبہ کا موقع دیئے ناشکری کی سزا نہیں دیتے تاہم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا منشا اس واقعہ کو بیان کرنے سے یہی ہے کہ آپ کی امت کے متمول اور خوشحال لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی اس نگرانی اور آزمائش سے غافل نہ رہنا چاہئے اور جب بھی کوئی حاجتمند سائل ان کے پاس آئے تو فوراً یہ سمجھنا چاہئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی نگرانی اور آزمائش ہے اس نے اس ضرورت مند کو صرف میری آزمائش کے لئے میرے پاس بھیجا ہے ورنہ وہ خود اپنے خزانہ غیب سے اپنے بندے کی حاجت کو پورا کر دیتے اور اس نابینا کی طرح نہایت خندہ پیشانی اور فراخ حوصلگی کے ساتھ محض اللہ تعالیٰ کی رضا خوشنودی اور شکر نعمت کی نیت سے کما حقہٗ اور خاطر خواہ اسکی ضرورت کو پورا کرنا چاہئے اور پھر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ اس نے اس آزمائش میں پورا اترنے کی توفیق عطا فرمائی اور اس حاجتمند کا ممنون ہونا چاہئے کہ اسی کی بدولت ہمیں یہ شکر نعمت ادا کرنے اور رضا الٰہی حاصل کرنے کا موقع ملا۔

اپنا جائزہ لیجئے

اس تفصیل کے بعد ذرا جائزہ لیجئے کہ ہم اور ہمارے دولت مند حضرات اس معیار پر کس قدر پورے اترتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس شکر گزاری کی توفیق عطا فرمائیں۔

دُعا کیجئے

اے اللہ! جو علم آپ نے ہمیں دیا اس سے نفع عطا فرمائے اور ہمیں وہ علم دیجئے جو ہمیں نفع دے۔

اے اللہ! تمام کاموں میں ہمارا انجام بہتر فرما اور دنیا کی رسوائی اور آخرت کے عذاب سے ہمیں محفوظ فرما۔

اے اللہ! ہم آپ سے اپنے دین میں، دنیا میں اور اہل وعیال میں معافی اور امن کا سوال کرتے ہیں۔

اے اللہ! ہم ناپسندیدہ اخلاق اور اعمال نفسانی خواہشوں اور بیماریوں سے آپ کی پناہ مانگتے ہیں۔

اے اللہ! ہمارے دل کو نفاق سے عمل کو ریا سے زبان کو جھوٹ سے اور آنکھ کو خیانت سے پاک فرما دیجئے کیونکہ آپ آنکھوں کی چوری اور جو کچھ دل چھپاتے ہیں جانتے ہیں۔

اے اللہ! علم سے ہماری مدد فرما اور حلم سے ہمیں آراستہ فرما اور پرہیزگاری سے بزرگی عطا فرما اور امن سے ہمیں جمال عطا فرمایئے۔

اے اللہ! ہمارے دلوں کے تالے کھول دے اپنے ذکر کے ساتھ اور ہم پر اپنی نعمت کو پورا فرما۔ اور ہم پر اپنا فضل کامل کر اور ہمیں اپنے نیک بندوں میں سے فرما دیجے۔ آمین

اپنے اعمال کا جائزہ لینے کی ہدایت

عن ابی یعلی شداد بن اوس رضی الله عنه، عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: الکیس، من دان نفسه، وعمل لما بعد الموت، والعاجز من اتبع نفسه هواها، وتمنٰی علی الله. (ترمذی)

ترجمہ: حضرت ابویعلی شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: زیرک (اور عاقبت اندیش) وہ شخص ہے جس نے خود اپنے اعمال کا محاسبہ کیا (اور جائزہ لیا) اور مرنے کے بعد (آخرت) کے لئے کام کیا اور عاجز ونا کارہ وہ شخص ہے جس نے اپنے نفس کی خواہشات اور اغراض کے پیچھے عمر گنوادی (اور آخرت کے لئے کچھ نہ کیا) اور (ساری عمر) اللہ تعالیٰ سے (بغیر کچھ کئے) تمنائیں کرتا رہا (اور مغفرت کی امیدیں باندھتا رہا)

یہ خوبی اعمال کا جائزہ سے پیدا کی جاسکتی ہے

مسلمان اپنے اسلام میں یہ خوبی اسی وقت پیدا کرسکتا ہے جبکہ وہ اپنے شب وروز کے کاموں کا محاسبہ کرتا رہے اور جائزہ لیتا رہے اس لئے اسے اپنے شب وروز کے اعمال کا روزانہ جائزہ لے کر نہ صرف گناہوں اور معصیتوں کو بالکل ترک کردینا چاہئے بلکہ ان تمام کاموں کو بھی چھوڑ دینا چاہئے جو آخرت میں کام آنے والے نہ ہوں اور ان کی جگہ سوچ سوچ کر وہ کام کرنے چاہئیں جو آخرت میں کام آئیں۔

حدیث پر عمل کرنے سے زندگی میں نہ کوئی تنگی اور دشواری

یادرکھئے۔آپ کے جائز معمولات زندگی میں اس حدیث پر عمل کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا صرف اتنا کرنا پڑے گا کہ جو کام بھی آپ کریں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی نیت سے کریں اس طرح آپ کی ساری دنیا دین بن جائے گی جس کی تفصیل آپ اس کتاب کے پہلے باب میں نیت کی تشریح کے ذیل میں پڑھ چکے ہیں۔

آخرت میں جزا سزا کی تفصیل

یادرکھئے انسان کی ہر جائز خواہش اور طبعی ضرورت اگر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی نیت سے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ اور آپ کی سنت کے مطابق جس کی تفصیل انشاءاللہ اس پوری کتاب میں پڑھیں گے پوری کی جائے وہ یقیناً آخرت میں کام آنے والی ہے مزید تفصیل کے لئے اور دینی کتابوں کی مراجعت کیجئے خاص کر اس کتاب کا پہلا باب بار بار پڑھئے اور یادرکھئے۔

اس حدیث پر عمل کرنے کا عظیم فائدہ

اس طریق کار پر عمل کرنے سے رفتہ رفتہ انسان کی زندگی فرشتوں کے لئے بھی قابل رشک بن جاتی ہے اس لئے کہ فرشتوں کی تمام خوبیاں اور پارسائی فطری اور غیر اختیاری ہے وہ کوئی برا کام یا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر ہی نہیں سکتے اسی لئے اس پر ان کے لئے کوئی جزاء اور صلہ وانعام نہیں اور اس انسان کی یہ تمام خوبیاں اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری نفس اور شیطان کے علی الرغم برخلاف اور ضد پر خود اپنے قصد وارادہ سے حاصل کردہ اور کافی مشقیں برداشت کرنے کے بعد حاصل شدہ ہیں اسی لئے ان کے عوض میں آخرت میں جزائے خیر اور جنت الفردوس کی نعمتوں کا وعدہ ہے جو ضرور پورا ہوگا ایسے ہی انسان اللہ تعالیٰ کے نزدیک عام فرشتوں سے افضل ہیں والحمدللہ علی ذلک اللہ تعالیٰ ہمیں آپ کو اور تمام مسلمانوں کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں آمین۔

بیوی بچوں پر دینی امور میں سختی کا فائدہ

عن عمر رضی الله عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: ولا یسأل الرجل فیم ضرب امراته، (ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: مشفق اعظم نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: (پابند شریعت) آدمی سے اپنے بیوی (بچوں) کو مار پیٹ کرنے پر (قیامت کے دن) کوئی باز پرس نہ ہوگی۔

تشریح: جس طرح اللہ تعالیٰ اپنے مخلوق اور پروردہ بندوں کے اعمال واخلاق کے خود نگراں ہیں اسی طرح اس نے مسلمان مردوں کو اپنے بیوی بچوں کے اعمال وافعال کا نگران بنایا ہے اور ان سے نماز روزے وغیرہ تمام احکام شرعیہ کی پابندی کرانا اور خلاف شرع کاموں سے باز رکھنے اور ان کو جہنم کے عذاب سے بچانے کی کوشش کرنا مردوں کا فرض قرار دیا ہے ارشاد ہے۔

اے ایمان والو! تم اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو (جہنم کی) آگ سے بچاؤ۔

خاص طور پر نماز کی پابندی کرانے کے متعلق ارشاد ہے۔

تم اپنے اہل وعیال کو نماز کا حکم دیا کرو اور سختی سے اس پر قائم رہو ہم تم سے رزق (دینے نہ دینے) کا سوال نہیں کریں گے (نماز پڑھوانے نہ پڑھوانے کا سوال کریں گے۔)

اور نگران بنانے کا اعلان ذیل کی آیت کریمہ میں فرمایا ہے: مرد عورتوں پر نگران ہیں اس فضیلت کی وجہ سے جو اللہ نے بعض کو (مردوں کو) بعض پر (عورتوں پر) دی ہے اور اس لئے کہ وہ ان کا خرچ اٹھاتے ہیں۔

اور اس نگران کے تحت بیویوں کو سمجھانے بجھانے اور اخلاقی سزا دینے اور ضرورت کے وقت (بقدر ضرورت) مار پیٹ کرنے کا اختیار ذیل کی آیت کریمہ میں دیا ہے۔

اور وہ عورتیں (بیویاں) جن کے سرکش بن جانے کا تمہیں اندیشہ ہو تو (پہلے) ان کو نصیحت کرو اور (ضرورت پڑے تو) ان کو بستر پر اکیلا چھوڑ دو (یعنی ساتھ سونا چھوڑ دو) اور (اس پر بھی نہ باز آئیں تو) ان کی (ہلکی سی) پٹائی کردو اگر وہ تمہارا کہا ماننے لگیں تو ان کے خلاف (انتقام) کی راہ مت تلاش کرو (جو کچھ کرو اصلاح کی نیت سے کرو نہ کہ انتقام کی نیت سے)

ایک پابند احکام الٰہیہ مسلمان اپنی بیوی اور بچوں کو خلاف شرع کاموں پر ہی سزا دے سکتا ہے اور اسی نیت سے اور وہی سزا دے سکتا ہے جس کی شریعت نے اجازت دی ہے چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جس مار پیٹ کی اجازت دی ہے اس کی شرط یہ ہے کہ ہاتھ پاؤں توڑ دینے اور کسی عضو کو بیکار کر دینے والی ایسی سزا ہرگز نہ ہونی چاہئے جو ہڈیوں تک اثر کرے باقی ان کاموں کی جن سے روکنا چاہئے اور ان سزاؤں کی مزید تفصیل جن کی اجازت دی ہے کتب حدیث وفقہ میں موجود ہے معلوم کیجئے بہرحال اس نگرانی اور خلاف ورزی پر گرفت کرنے میں ناموافقت ناراضگی اور عداوت ودشمنی کا جذبہ ہرگز کارفرما نہ ہونا چاہئے شریعت نے سختی کے ساتھ اس سے منع کیا ہے چنانچہ مذکورہ بالا آیت کریمہ میں **فلاتبغوا علیھن سبیلاً** میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین کی صحیح سمجھ عطا فرمادیں آمین۔

الحمد للہ جلد ۹ مکمل ہوئی